وقد اخذ میثاقکم ان کنتم مؤمنین

ماہنامہ

میثاق

لاہور

جمادی الثانی ۱۴۰۱ھ - اپریل ۱۹۸۱ء

دو ماہ کے اس مشترکہ شمارے میں جناب ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک اہم خطاب جمعہ شامل ہے جو موصوف نے ۲ مارچ ۱۹۸۱ء کو مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں دیا تھا - جس میں ملک کے موجودہ حالات کے پیش نظر چند مفید اور اہم مشورے پیش کئے گئے تھے (مرتب)

: مدیر مسئول :

ڈاکٹر اسرار احمد

یکے از مطبوعات

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت : ۳۶-کے' ماڈل ٹاؤن - لاہور - فون : ۸۵۲۶۱۱ - ۸۵۲۶۸۳

و لقد اخذ میثاقکم ان کنتم مومنین

ماهنامہ میثاق لاہور

جلد ۳۰ | جمادی الثانی و رجب المرجب ۱۴۰۱ھ | عدد ۴-۵

مشمولات

صفحہ

● عرض احوال — جمیل الرحمان — ۱

● پاکستان کے موجودہ حالات (تذکرہ و تبصرہ) — ڈاکٹر اسرار احمد — ۵

● امریکہ کے دورے کے تاثرات و مشاہدات — ڈاکٹر اسرار احمد — ۳۷

● اسلام کی پندھرویں صدی — مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی — ۵۵

● اسلام اور حقوق اطفال — مولانا غازی عزیر — ۶۰

● بلا سود بنکاری — اسلامی نظریاتی کونسل — ۷۳

● تعارف الکتاب — ڈاکٹر اسرار احمد — ۸۷

● پردے کے متعلق سوال نامہ — ادارہ — ۹۸

● خطوط و آرا۔ — مراسلہ نگار اصحاب — ۱۰۱

مرتب ——— (شیخ) جمیل الرحمٰن

ناشر : ڈاکٹر اسرار احمد ★ طابع : چودھری رشید احمد

مطبع : مکتبہ جدید پریس ۔ شارع فاطمہ جناح ۔ لاہور

جمیل الرحمٰن

عرضِ احوال

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہِ الکریم ؕ

جمادی الثانی اور رجب المرجب ۱۴۰۱ھ مطابق اپریل و مئی ۱۹۸۱ء کا مشترکہ شمارہ پیش خدمت ہے۔ اس اشتراک کا سبب یہ ہے کہ منتخب مضامین اہم بھی تھے اور طویل بھی۔ ایک شمارے کی ضخامت ان کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی، لہٰذا ماہ رجب المرجب (مئی ۸۱ء) کا شمارہ بھی شامل کر کے اس شمارے کی ضخامت دوگنی کر دی گئی اس طرح اگلے ماہ کا شمارہ پیشگی قارئین کرام کو پہنچ رہا ہے۔ سابقہ شمارے کے ٹائٹل پر سہواً "جمادی الثانی" ٹائپ ہو گیا تھا۔ ناظرین سے التماس ہے کہ وہ نوٹ فرمالیں کہ سابقہ شمارہ "جمادی الاوّل" (مارچ ۸۱ء) کا تھا۔

ڈاکٹر صاحب کا ایک اہم خطاب

اس شمارے میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا ایک فکر انگیز خطبہ ٹیپ سے منتقل کر کے شائع کیا جا رہا ہے۔ اس تقریر میں موصوف نے پاکستان کے سیاست دان اصحاب، علماء کرام اور دین کا کام کرنے والے حضرات کی خدمت میں چند مفید و اہم مشورے پیش کئے ہیں۔ ہماری کوشش ہو گی کہ یہ شمارہ ملک کی چند نمایاں شخصیتوں کی خدمت میں غور و فکر کے لئے ارسال کر دیا جائے ___ ہم قارئین میثاق سے گذارش کریں گے کہ وہ اس تقریر کا بالاستیعاب مطالعہ کر کے ان تجاویز اور مشوروں کے بارے میں اپنی آراء سے مطلع فرمائیں جن کو ان شاء اللہ "میثاق" میں پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

محاضراتِ قرآنی

جیسا کہ سابقہ شمارے میں عرض کیا گیا تھا کہ امسال سالانہ "قرآن کانفرنس" کے بجائے ۲۳ تا ۳۱ مارچ ۸۱ء کو قرآن اکیڈمی میں علمی مجالسِ مذاکرہ منعقد ہوں گی۔ الحمد للہ والمنہ ان مجالسِ علمی کا انعقاد "محاضراتِ قرآنی" QURANI SEMINAR کے نام سے نو دن تک جامع قرآن قرآن اکیڈمی میں مسلسل جاری رہا۔ ہر روز دو نشستیں منعقد ہوئیں۔ پہلی بعد نمازِ عصر تا نماز مغرب اور دوسری بعد نماز مغرب تا عشاء ___ عموماً نمازِ عشاء تاخیر سے

باجماعت ادا کی گئی - ان مجالس میں ملک کے بہت سے علماء اور دانشوروں نے مختلف موضوعات پر قرآن حکیم کی روشنی میں مقالات پیش کئے اور تقاریر کیں - عموماً ہر مقالے اور تقریر کے بعد شرکاء مجالس کو سوالات کا موقع بھی دیا گیا -

ہماری، بڑی خوش نصیبی تھی کہ ان محاضرات میں پاکستانی علماء و دانشوران کے علاوہ پاک و ہند کے نامور عالم دین صاحب تصنیف و تالیف، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اسلامیات کے پروفیسر اور موقر و مشہور و معروف دینی ماہنامہ "برہان" دہلی (بھارت) کے مدیر جناب مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی مدظلہ العالی نے جو ان دنوں پاکستان تشریف لائے ہوئے تھے - چھ نشستوں میں شرکت فرمائی، چند کی صدارت کی اور ایک نشست میں "قرآن حکیم کی آیاتِ محکمات و متشابہات" کے موضوع پر نہایت فاضلانہ تقریر فرمائی۔ — مزید برآں ان محاضراتِ قرآنی میں شرکت کرنے اور مقالات پیش کرنے کے لئے کراچی سے ملک کے مشہور و معروف ماہر قانون و دستور جناب خالد۔ ایم اسحٰق صاحب، جناب مولانا محمد طاسین صاحب ناظم و مہتمم مجلس علمی کراچی اور جناب ڈاکٹر ابو سلیمان شاہجہانپوری (مقتدرہ اردو - کراچی) نے شرکت فرمائی اور اپنے مقالات و خطابات سے ناظرین کو مستفید فرمایا - جناب احمد ظفر فاروقی صاحب (سیکرٹری الیکشن کمیشن حکومت پاکستان اسلام آباد) سے اپنا مقالہ پیش کرنے کے لئے تشریف لائے تھے -

دیگر شرکاء علاوہ ازیں لاہور سے حسب ذیل حضرات سے ان محاضرات قرآنی میں صدارت فرمائی یا مقالات پیش کئے یا تقاریر کیں - نام حروف تہجی کے لحاظ سے لکھے گئے ہیں -

۱ - جناب ڈاکٹر ابصار احمد صاحب اعزازی ڈائریکٹر قرآن اکیڈمی (شعبہ فلسفہ جامعہ پنجاب)
۲ - جناب ڈاکٹر ابوبکر صاحب سابق صدر شعبہ حیاتیات - جامعہ پنجاب -
۳ - جناب حافظ احمد یار صاحب سابق صدر شعبہ اسلامیات جامعہ پنجاب
جناب مولانا اسحٰق بھٹی رفیق ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور
جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب صدر موسس مرکزی انجمن خدام القرآن
جناب ڈاکٹر الطاف جاوید صاحب
جناب ڈاکٹر امان اللہ صاحب صدر شعبہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب

جناب ڈاکٹر برہان احمد صاحب فاروقی (سابق پروفیسر جامعہ پنجاب)
جناب ڈاکٹر بشیر احمد صاحب صدیقی (پروفیسر شعبہ اسلامیات جامعہ پنجاب)
جناب جعفر ہاشمی صاحب
جناب مولانا سید حامد میاں صاحب ناظم و مہتمم اعلیٰ جامعہ مدینہ لاہور
جناب حبیب اللہ قریشی آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس لاہور
جناب پروفیسر ذوالفقار ملک صاحب صدر شعبۂ عربی جامعہ پنجاب
جناب پروفیسر رفیع اللہ شہاب (ٹیکسٹ بک بورڈ پنجاب)
جناب ڈاکٹر سلیم فارانی صاحب سابق شیخ الجامعہ جامعہ اسلامیہ بہاولپور
جناب منیرالدین صاحب چغتائی ۔ صدر شعبۂ علوم سیاسی جامعہ پنجاب
جناب ڈاکٹر عبدالخالق صاحب صدر شعبہ فلسفہ جامعہ پنجاب
جناب مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب المدنی مدیر اعلیٰ ماہنامہ "المحدث" لاہور
جناب پروفیسر عبدالقیوم صاحب بٹ سابق صدر شعبہ عربی جامعہ پنجاب
جناب علامہ سید غلام شبیر صاحب بخاری سابق ڈائریکٹر نظامت تعلیمات پنجاب
جناب خواجہ غلام صادق صاحب صدر نظامت ثانوی تعلیمات پنجاب
جناب ظہیرالاسلام فاروقی (تحریک پاکستان کے مشہور کارکن)
جناب ڈاکٹر محمد اسلم صاحب شعبہ تاریخ جامعہ پنجاب
جناب پروفیسر منظور احسن صاحب عباسی
جناب مولانا محمد حنیف صاحب ندوی رفیق ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور
جناب مولانا محمد طاہر القاسمی یونیورسٹی لاء کالج لاہور
جناب پروفیسر محمد عثمان صاحب پرنسپل گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن ۔ لاہور
جناب پروفیسر مرزا محمد منور صاحب شعبۂ اقبالیات جامعہ پنجاب
جناب مولانا محمد متین صاحب ہاشمی دیال سنگھ کالج لائبریری ۔ لاہور
جناب چودھری مظفر حسین صاحب آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس ۔ لاہور
جناب پروفیسر یوسف سلیم صاحب چشتی (معروف دانشور اور تحریک پاکستان کے مشہور لیڈر)
جناب حافظ نذر احمد صاحب پرنسپل شبلی کالج لاہور ۔

الغرض اس نو روزہ محاضراتِ قرآنی میں کل چھتیس حضرات نے اپنے قیمتی خیالات بطور خطبات صدارت، مقالات اور تقاریر اظہار فرمایا۔ ان شاء اللہ مستقبل قریب میں اس کی مفصل روداد اور پیش کردہ مقالات و تقاریر میثاق کی کسی خصوصی اشاعت میں پیش کی جائیں گی۔ ——— ان مقتدر اور اہل فکر و نظر کے علاوہ علی گڑھ (بھارت) سے جناب مولوی سلطان احمد اصلاحی رفیق ادارہ تصنیف جماعتِ اسلامی ہند اور ٹورنٹو (کینیڈا) سے ڈاکٹر نسیم الدین ڈائریکٹر Consortium on Human Resource Development اور صدر انجمن خدام القرآن ٹورنٹو (کینیڈا) کے مقالے عین محاضرات کے آخری دن ڈاک سے موصول ہوئے جو ان شاء اللہ میثاق کی خصوصی اشاعت میں شامل کئے جائیں گے۔

بحمداللہ یہ مجالس ہر لحاظ سے مفید و کامیاب رہیں - ملک کے موقر انگریزی روزنامہ پاکستان ٹائمز لاہور کے اسٹاپ رپورٹر کی جانب سے ان محاضرات قرآنی کے اختتام کے بعد ان کی ایک تفصیلی رپورٹ ۴ اپریل کے پرچے میں شائع ہوئی ہے جس میں اس رائے کا اظہار کیا گیا ہے کہ "قرآن مجید کے موضوع پر یہ سیمنار افادیت اور فکر انگیزی کے لحاظ سے فقید المثال تھا۔ اس سیمنار میں نو دن تک ملک کے نامور علماء، دین اور دانشوروں نے قرآنی تعلیمات کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی۔ سوالات وجوابات کا سلسلہ بھی جاری رہا جس کی وجہ سے اس کی افادیت دوچند ہوگئی"

انجمن کا سالانہ اجلاس

طے شدہ پروگرام کے مطابق ۲۳ مارچ کو صبح نو بجے قرآن اکیڈمی میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کا نواں سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ انجمن کے دستور العمل کے مطابق مجلسِ منتظمہ کا انتخاب ہر دوسرے سال ہوتا ہے اس لئے اس اجلاس کے ایجنڈے میں انتخاب کی شق شامل نہیں تھی بایں ہمہ اراکین انجمن کی کثیر تعداد نے اس اجلاس میں شرکت کی۔ اس اجلاس میں سال گذشتہ کے سالانہ اجلاس کی روئیداد چودھری نصیر احمد ورک معتمد انجمن نے پیش کی جس کی توثیق کی گئی۔ جناب محمد بشیر ملک صاحب ناظم اعلیٰ نے دو سال کی کارگزاریوں کی رپورٹ پیش کی جو اس شمارے کے آخر میں بطور ضمیمہ شامل ہے بعدہ ۸۰ء کے مالیاتی سال کے حسابات شیخ

(بقیہ صلا پر)

تذکرہ و تبصرہ

پاکستان کے موجودہ حالات اور

ہمارے لئے لمحات فکریہ

ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک حالیہ خطاب جمعہ

جیساکہ قارئینِ میثاق کے علم میں ہے کہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کافی عرصے سے مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں خطبۂ جمعہ اور امامتِ صلوٰۃ جمعہ کا فرض انجام دے رہے ہیں۔ چنانچہ ۶ مارچ ۸۱ء کے جمعہ کو خطبۂ اوّل میں موصوف نے مملکت خداداد پاکستان کے موجودہ حالات کے متعلق جو اظہار خیال کیا تھا اور جو مشورے پیش کئے تھے۔ ان کو ٹیپ سے منتقل کرکے "تذکرہ و تبصرہ" کے عنوان کے تحت استفادہ عام کے لئے پیش کیا جارہا ہے

(ج۔ر۔ مرتب)

خطبہ مسنونہ اور درود و سلام کے بعد ڈاکٹر صاحب نے سورہ آل عمران کی حسب ذیل آیات کی تلاوت کی :۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْھَا ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ ۝ وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ ؕ وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (۱۰۲ تا ۱۰۴)

تلاوت کے بعد ڈاکٹر صاحب موصوف نے فرمایا:۔

آپ حضرات کو معلوم ہے کہ میں نے خطباتِ جمعہ میں کبھی ملک کی سیاست کو موضوع نہیں بنایا۔ اس لئے نہیں کہ میرے نزدیک سیاست کوئی شجرِ ممنوعہ ہے یا ہمارے دین کے دائرے سے باہر کی کوئی شے ہے۔ میں اس کا قائل ہوں کہ ہمارے دین میں سیاست بھی ہے، حکومت کے معاملات بھی ہیں اور یہ صرف کہنے کی بات نہیں ہے بلکہ ہمارا ایمان ہے کہ ہمارا دین انسانی زندگی کے تمام گوشوں سے بحث کرتا ہے چاہے وہ انفرادی زندگی سے متعلق ہوں چاہے اجتماعی زندگی سے — پھر صرف بحث ہی نہیں کرتا بلکہ ان تمام گوشوں کو اپنے تحت لانا چاہتا ہے۔ مزید برآں "سیاست" کا لفظ بڑے ہی مقدس انداز میں حدیث شریف میں آیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کَانَتْ بَنُوْا اِسْرَائِیْلَ تَسُوْسُھُمُ الْاَنْبِیَاءُ — "بنی اسرائیل کا معاملہ یہ تھا کہ ان کی سیاست انبیاء کے ہاتھ میں تھی۔" آپ کو معلوم ہے کہ بنی اسرائیل میں نبوّت کا تسلسل قائم رہا تھا اور ان کے ہاں ایک نبی کے بعد دوسرے نبی مبعوث ہوتے رہے تھے اور یہ سلسلہ حضرت عیسیٰؑ پر ختم ہوا تھا جو بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے۔ ان کے ہاں معاملہ یہ تھا کہ اصل قیادت وسیادت اور نبی اکرمؐ کے ارشاد کے مطابق "سیاست" نبیوں کے ہاتھ ہی میں رہتی تھی۔ تو وہ چیز جو انبیاء کا موضوع رہی ہو، وہ اپنی ذات میں نجس اور حرام شے نہیں ہوسکتی۔ معاذاللہ۔

خطباتِ جمعہ میں اس موضوع سے اجتناب اور صرفِ نظر کرنے کے دو اہم سبب رہے ہیں۔ پہلا یہ کہ ہمارے ہاں بدقسمتی سے 'سیاست' کے معنی صرف انتخابات اور حکومت کے معاملات قرار پاگئے ہیں۔ حالانکہ سیاست ایک بڑی وسیع اصطلاح ہے۔ اور کم از کم میرا تجربہ اور میری آج ہی نہیں بلکہ طویل عرصے سے سوچی سمجھی رائے یہ ہے کہ پاکستان میں بسنے والی اُمّتِ مسلمہ کی اصلاح کا جو عمل ہے، اس کا اصل میدان 'انتخابات' کا میدان نہیں ہے بلکہ 'دعوت واصلاح' کا میدان ہے اور ان دونوں کاموں میں اپنی نوعیت کے اعتبار سے بڑا فرق بلکہ بعض اعتبارات سے بڑا تضاد ہے۔ دعوت و اصلاح کے تقاضے کچھ اور ہوتے ہیں اور انتخابی سیاست کے تقاضے کچھ اور ہوتے ہیں جن کا اجمالی ذکر میں ان شاءاللہ آگے کروں گا۔ دوسرا یہ کہ خطبہ جمعہ کے بارے میں میں جانتا ہوں کہ اس کا اصل مقصد قرآن حکیم کے ذریعے سے تذکیر ہے۔ نبی اکرمؐ کے بارے میں مسلم شریف کی یہ حدیث میں متعدد بار

آپ کو سنا چکا ہوں کہ کَانَتْ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : یَقْرَءُ الْقُرآنَ وَیُذَکِّرُ
النَّاسَ ۔ یعنی آں حضورؐ خطبہ جمعہ میں قرآن کی قرأت اور اس کے ذریعے تذکیر فرماتے تھے۔
یاددہانی کراتے تھے، نصیحت فرماتے تھے تاکہ مشغولات دنیوی کی وجہ سے اگر جذباتِ ایمانی
پر کوئی حجاب پڑ گیا ہو۔ ان پر کچھ غبار آ گیا ہو۔ وہ کچھ سرد پڑ گئے ہوں تو ان جذباتِ ایمانی
کو ازسرِ نو جلا حاصل ہو جائے۔ غبار دور ہو اور حرارت ایمانی عود کر آئے۔ اس تذکیر کا
ذریعہ بفحوائے الفاظ قرآنی :۔ فَذَکِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ یَّخَافُ وَعِیْدِ ؓ (قٓ) "اے
نبی! بس آپ اس قرآن کے ذریعے سے ہر اُس شخص کو یاددہانی اور نصیحت (تذکیر)
کرائیے جو میری پکڑ سے ڈرتا ہو"۔ خود قرآن مجید ہے۔

چنانچہ مَیں نے خطبہ جمعہ کے لئے اپنا معمول قرأت قرآن اور تذکیر بالقرآن قرار
دے رکھا ہے اور آپ کو معلوم ہی ہے کہ یہاں تقریر اور خطبہ علیٰحدہ علیٰحدہ نہیں بلکہ تقریر
ہی خطبۂ اوّل ہوتا ہے اور اس خطبہ اوّل میں بفضلہ تعالےٰ میں نبی اکرمؐ کی سُنّت کا
اتباع کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ یعنی قرأتِ قرآن اور پھر اس کے ذریعے تذکیر،
نصیحت اور یاددہانی تاکہ ہم کو اپنے مسلمان ہونے کا شعور مسلسل حاصل ہوتا ہے اور
ہم پر ہمارے وہ دینی فرائض واضح ہوتے رہیں جو ازرُوئے دین ہم پر عائد ہوتے ہیں۔
آپ کے علم میں ہے کہ ان ہی دو اسباب کی بنا پر اُن موضوعات پر یہاں گفتگو نہیں ہوتی
جو عام طور پر مساجد میں ہمارے مقررین و خطباء کو مواد فراہم کرتے ہیں۔ (اِلَّا مَا
شَاءَ اللّٰہ) لیکن اس وقت ہمارا ملک جن حالات سے دوچار ہے واقعتاً وہ حالات
بعض اعتبارات سے اتنے اہم ہیں کہ ان پر گفتگو کرنا نہ صرف موجودہ ملکی صورت حال کا تقاضا
ہے بلکہ ہمارے دین کے مصالح کے اعتبار و لحاظ سے بھی ضروری ہے۔

اسی لئے میں نے آج اس موضوع پر گفتگو کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

داخلی حالات میں صاف نظر آ رہا ہے کہ ہلچل شروع ہو گئی ہے۔ اس کے آثار ملک
کی فضا میں واضح طور پر نظر آنے لگے ہیں حالانکہ صورت یہ ہے کہ ہمارے پاس جو اطلاعات
آتی ہیں۔ وہ یک طرفہ ہوتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ قانوناً اور حکماً تو سینسر ہے لیکن ایک
طرف سے یہ ہٹ گیا ہے۔ اور ایک فریق کے لیڈروں کے اخبارات میں بیانات آنے شروع
ہو گئے ہیں البتہ اِن کے ناموں کے ساتھ ان کی پارٹیوں کے ناموں کی "کالعدم" کے لفظ کے

اضافے کے ساتھ گردان ہوتی ہے۔ ان بیانات ہی کے ذریعے ہمارے سامنے یہ بات آتی ہے کہ دوسری طرف کیا ہو رہا ہے۔ ورنہ ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ ان بیانات میں جن نو یا سات پارٹیوں کے "اتحاد" کا ذکر اور مذمت ہوتی ہے اس اتحاد کے داعی کون لوگ ہیں؟ کونسی پارٹیاں اس میں شامل ہیں اور اتحاد کی اصل بنیاد کیا ہے؟!! اس اتحاد کی خبروں کا دوسرا ذریعہ ان ممالکِ غیر کی ریڈیو کی نشریات ہیں۔ جن کا وطیرہ ہی پاکستان کے خلاف مہم چلانا ہے۔ لیکن حکومت کے ذرائع ابلاغ اور ملکی اخبارات سے اس اتحاد (alliance) کے متعلق کچھ پتہ نہیں چلتا۔ میرے نزدیک یہ صورتِ حال فی نفسہٖ درست نہیں ہے۔ بلکہ مضر ہے۔ اس سے اعتماد اٹھ جاتا ہے اور لوگ تذبذب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ہمارے بعض مخلص صحافی یہ لکھ رہے ہیں اور صحیح لکھ رہے ہیں کہ اس طرزِ عمل سے credibility ختم ہو جاتی ہے اور دوسری طرف کی خبروں میں دائیں بازو کے لیڈروں کے بیانات پر بھی اعتماد نہیں رہتا۔ بہرصورت دوسرے نقطۂ نظر کے حاملین بھی اسی ملک کے شہری ہیں۔ ان کا نقطۂ نظر کسی درجے میں تو براہ راست ہمارے عوام کے سامنے آنے دیجئے۔ البتہ مناسب پابندیاں لگائی جا سکتی ہیں۔ مثلاً اسلام یعنی نظریۂ پاکستان کے خلاف باتوں، اشتعال انگیز بیانوں اور لاقانونیت اور انتشار پھیلانے والی خبروں اور پروپیگنڈے کو ضرور روکا جانا چاہیئے۔ لیکن ان کو اپنا نقطۂ نظر کسی نہ کسی مثبت انداز میں عوام کے سامنے پیش کرنے کی اجازت ہونی چاہیئے۔ پھر ان کے نقطۂ نظر پر محکم استدلال سے تنقید ہو۔ اس کا ردّ ہو اور اس کے مضر پہلوؤں کو دلائل کے ساتھ واضح کیا جائے تو میرے خیال میں یہ عمل ہمارے عوام کے سیاسی شعور کی تربیت کا باعث ہوگا۔ بہرحال یہ تو ایک ضمنی بات ہے جو برسبیل تذکرہ بیان ہو گئی۔

مجھے اصل بات یہ عرض کرنی ہے کہ فی الوقت ہمارا ملک جس صورتِ حال سے دوچار ہے۔ اس نے ہر محبِ وطن اور پاکستان کے ہر بہی خواہ کو تشویش میں مبتلا کر دیا ہے اور یہ تشویش فطری ہے۔ ہمارا ایک ہوائی جہاز تخریب کاروں کے ہاتھوں اغوا ہو کر کابل پہنچ گیا ہے اور ہماری حکومت کا افغانستان کی اس انتظامیہ سے براہ راست سابقہ پیش آ گیا ہے۔ جس کو ہماری حکومت افغانستان کی جائز و مجاز حکومت تسلیم نہیں کرتی اور جو روسی استبداد کے سائے اور سرپرستی میں اپنے

افغان بھائیوں کے خون سے ہولی کھیل رہی ہے - اس اغوا شدہ جہاز اور یرغمالیوں کی رہائی کی کیا صورت ہوتی ہے اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا - لیکن اس واقعہ سے پورے ملک میں غم و غصّے اور گہری تشویش کی لہر دوڑ گئی ہے - بعض ناخوشگوار واقعات کی وجہ سے طلباء میں بھی بے چینی اور اضطراب ہے، کہیں کہیں تصادم بھی ہوا ہے ہماری اکثر یونیورسٹیاں اور کالج بند ہیں - اور اس طرح اکثر تعلیمی اداروں میں تعطل ہے - بعض دوسرے طبقات بھی بے اطمینانی اور خوف کی کیفیت سے دوچار ہیں -

پھر اس ملک میں جو دائیں بازو (Rightists) کی جماعتیں کہلاتی ہیں - اخبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے لیڈروں کی آپس ملاقاتیں اور کچھ گفتگوئیں ہو رہی ہیں اور بظاہر ایسا ہوتا ہے کہ یہ گفت و شنید کا سلسلہ حکومت کی اجازت سے شروع ہوا ہے تو میں اس ضمن میں کچھ مشورے پیش کرنا چاہتا ہوں اگرچہ میں جانتا ہوں کہ اس نقار خانے میں طوطی کی آواز کوئی سننے والا نہیں - لیکن پھر بھی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ' الدِّینُ النَّصِیحَۃُ ' کی تعمیل میں آج کی اس گفتگو میں چاہوں گا کہ اپنے فہم کے مطابق ملک و ملت کی خیرخواہی میں اپنے مشورے پیش کر دوں -

جو حضرات میرے کام سے عرصے سے متعلق ہیں، ان کو یاد ہوگا کہ ایک مشورہ میں نے نومبر ۱۹۷۷ء کی منعقدہ سالانہ قرآن کانفرنس میں دیا تھا کہ ہمارے جو زعماء اس ملک میں دین کے نفاذ کے دل سے متمنی ہیں اور جن کو واقعی دین کا مستقبل عزیز ہے - خدا کے لئے وہ یہ طے کر لیں کہ ان کو الیکشن میں براہ راست حصّہ لینے اور حکومت کا کوئی منصب حاصل کرنے کی کوشش کرنے سے کوئی سروکار رکھنا نہیں ہوگا - وہ تو نفاذِ دین کا مطالبہ اور تقاضا کریں لیکن حکومت کے مناصب، اس کے عہدے اور وزارت سازی وغیرہ کے کاموں سے خود کو مستغنی کر لیں - ان کا یہ فیصلہ ان کے اخلاص کا ایک منہ بولتا اور جیتا جاگتا ثبوت ہوگا اور اس بات کا مظہر ہوگا کہ اسلامی نظام کے قیام کے مطالبے کی پشت پر ان کے ایمان کا تقاضا ہے نہ کہ حصولِ اقتدار کی تمنا و آرزو -

میں نے اُس موقع پر جو کچھ عرض کیا تھا اسی کا آج پھر اعادہ کر رہا ہوں کہ ہمارے ہاں سیاست میں ایک وہ طبقہ موجود ہے جو 'اسلام پسند' کہلاتا ہے - گو مجھے یہ اصطلاح

پسند نہیں ہے۔اس کے لئے "اسلام دوست" کی اصطلاح کچھ غنیمت معلوم ہوتی ہے۔
بہرحال یہ طبقہ فی الواقع ہمارے سیاسی افق پر موجود ہے اور اس کی خاصی بھلی تعداد ہے جو زبانی کلامی اسلام کو ماننے والا ہے۔ بڑی حد تک شعائرِ اسلامی کا احترام اس کے دلوں میں موجود ہے اگر وہ اس پہ پوری طرح عمل پیرا نہ بھی ہوں تب بھی اپنی قومی روایات کے درجے میں سہی اس طبقے کو اسلام سے ایک قلبی لگاؤ ہے اور اس کے دل میں بھی صرف تمنا اور خواہش کے درجے ہی میں سہی یہ جذبہ موجود ہے کہ اسلام کو فی الواقع اس ملک میں قوتِ نافذہ کا مقام حاصل ہو۔اس طبقے کے فکر و عمل میں تضادات بھی موجود ہیں۔ دو رخا پن بھی موجود ہے بایں ہمہ اس طبقے کا شمار دین دشمن عناصر میں نہیں کیا جا سکتا یہ اسلام دوست ہی کہلانے کے مستحق ہیں۔ یہ طبقہ ہمارے ملک میں جیسا کہ میں نے عرض کیا، کثیر تعداد میں موجود ہے۔ ملکی سیاست پر اسکا خاصا اثر بھی ہے۔ یہ طبقہ زیادہ تر ان عناصر پر مشتمل ہے جو مسلم لیگ کے جھنڈے تلے تحریک پاکستان میں پیش پیش رہا ہے۔ یا اسی ذہن کا حامل ہے۔ کہ پاکستان کے قیام کا اصل مقصد اسلامی نظام کا نفاذ تھا۔
دوسرا طبقہ ان دینی دسیاسی زعماء کا ہے جو دین کے ساتھ حقیقی تعلق ر
رکھتے ہیں اور اس کا اظہار ان کی عملی زندگیوں سے بھی ہوتا ہے
اور ان کے متبعین کی اکثریت اسلامی نظام کے قیام و نفاذ کے معاملے میں مخلص بھی ہے اور وہ محض اپنی قومی روایات یا توارث سے ملنے کی وجہ سے اسلام کے ساتھ ذہنی و قلبی وابستگی نہیں رکھتی بلکہ وہ پورے شعور و ایقان کے ساتھ "اسلام" ہی کو دنیا و آخرت کی فلاح و صلاح اور نجات کا واحد ذریعہ سمجھتی ہے۔
اس دوسرے طبقہ کے لئے میں پہلے بھی ۸۶ء کی قرآن کانفرنس میں مشورہ پیش کر چکا ہوں اور آج پھر نہایت دردمندی اور اخلاص کے ساتھ ان کی خدمت میں یہ عرض کرتا ہوں کہ خدارا آپ الیکشنی سیاست سے لاتعلق ہو کر پوری تندہی انہماک اور یکسوئی کے ساتھ اپنی توانائیاں، اپنی صلاحیتیں اپنی قوتیں، اپنے اوقات اور اپنے مال و منال دعوت و تبلیغ کے میدان میں صرف کریں اور عوام الناس کے افکار و نظریات اور عقائد کی خالص اسلام اور توحید کی دعوت کے ذریعے تطہیر اور سیرت و کردار کی تعمیر ہی کو اپنا مقصود و مطلوب بنالیں تاکہ ایک طرف عوام الناس کی

معتدبہ اور اثر کن تعداد فکر اور عمل دونوں اعتبارات سے حقیقی مسلمان بن جائے دوسری طرف اس کی دینی حس اتنی بیدار ہو جائے کہ وہ کسی غیر اسلامی بات کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہو اور حقیقی اسلام کا نفاذ ہی اس کا مقصود و مطلوب ہو۔

دعوت و تبلیغ کا یہ منہاج جتنا جتنا فروغ پائے گا۔ اسی لحاظ سے یہاں حقیقی اسلامی نظام کے قیام اور اس کے نفاذ اور خاص طور پر اس کے استحکام کی بنیادیں فراہم ہوتی چلی جائیں گی اور اس اصلاح یافتہ معاشرے کا دباؤ ان لوگوں کو مجبور کر دے گا جن کے ہاتھوں میں اقتدار کی زمام کار ہوگی کہ وہ اس مملکت خداداد میں اسلام ہی کو نافذ کریں اور قائم رکھیں۔ اسی طرح ان شاء اللہ وہ مرحلہ بھی آسکے گا کہ بلا طلب و بلا کوشش زمام اقتدار بھی سنت اللہ کے مطابق مومنین صالحین کے ہاتھ میں آجائے بفحوائے وعدۂ الٰہی: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (النور ۵۵)
"اللہ نے وعدہ فرمایا ہے۔ تم سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا۔ جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے"۔ اپنی جماعت یا پارٹی کے لئے یا کسی قومی اتحاد میں شامل ہو کر اس کے لئے حصول اقتدار کی جدوجہد کرنے اور الیکشن کے میدان میں اترنے کا ایک راستہ ہے۔ اور عوام الناس کی فکری و عملی تطہیر و تعمیر کی سعی و کوشش کو مقصود بنانے کا دوسرا راستہ۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ پہلا راستہ تحزب و اختلاف اور افتراق و انتشار کا راستہ ہے۔ دوسرا راستہ خداترسی اور فرض منصبی کے طور پر دعوت و تبلیغ نصح و خیرخواہی اور وفاداری کا راستہ ہے پھر ان دونوں راستوں کے تقاضے باہم دگیر متصادم اور متضاد ہوتے ہیں۔ پہلے راستے پر گامزن ہونے والے دوسرے راستے کے کام اول تو صحیح طور پر انجام نہیں دے سکتے اور اگر وہ یہ کام کرتے بھی ہیں تو وہ کام حصول اقتدار کی کوشش کا ضمیمہ بن جاتا ہے اور اس طرح اس کے صحیح و مؤثر نتائج مرتب نہیں ہوتے۔ پھر میرے نزدیک دوسرا راستہ ہی وہ راستہ ہے جو ایک طرف توشۂ آخرت ثابت ہوگا اور رضائے الٰہی کے حصول کا باعث ہوگا اور دوسری طرف اپنی سیاسی کوششوں کے نتیجے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے خالص انعام کے طور پر تمکن فی الارض پر بھی منتج ہو سکے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد صحیح مسلم میں موجود ہے کہ:

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ: قُلْنَا لِمَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ: لِلّٰہِ وَلِکِتَابِہٖ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِہِمْ ـــ "نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین تو بس وفاداری اور خیرخواہی کا نام ہے۔ صحابہؓ نے پوچھا: حضورؐ کس کی؟ آپؐ نے فرمایا۔ اللہ کی، اس کی کتاب کی، اس کے رسول کی اور مسلمانوں کے رہنماؤں کی اور عوام ـــ سب ـــ کی!"

پس معلوم ہوا کہ جو لوگ خلوص و اخلاص کے ساتھ دین کے ساتھ تعلق (Commitment) رکھتے ہیں اور وہ دین کے لئے واقعتاً کچھ کرنا چاہتے ہیں، ان کیلئے لازم ہے کہ وہ نبی اکرمؐ کے اس قول مبارک کو سامنے رکھ کر اپنا لائحہ عمل مرتب کریں۔ ان کی انفرادی زندگی اسلام کا نمونہ ہو، ان کا عمل یہ شہادت دے کہ یہ واقعی اللہ کے بندے ہیں اور وہ اپنی جدوجہد کا ہدف دعوت و تبلیغ اور اصلاح اعمال کو بنائیں، تاکہ عوام الناس کی دین کے ساتھ وابستگی بڑھے ان میں ذہنی و فکری اور اعتقادی ہی نہیں بلکہ عملی واخلاقی تبدیلی رونما ہو۔ ان کی زندگی بتائے کہ یہ واقعی اللہ کے بندے اور رسول کے امتی ہیں، پیروکار اور متبع ہیں اور ان کا مطلوب و مقصود نجات اخروی ہے۔ الیکشنی سیاست اور حصول اقتدار کی کشمکش کا میدان "اسلام پسند" طبقے کے لئے جس کو میں "اسلام دوست" کہنا زیادہ مناسب سمجھتا ہوں چھوڑ دیں اور خود انتخابی سیاست سے کنارہ کش ہو کر دین کا کام کریں اور اس طرح بالواسطہ اس طبقے پر خود بھی اثر انداز ہوں اور رائے عامہ کا دباؤ بھی ڈالیں کہ وہ صحیح اسلامی نظام کو اس ملک میں قائم و نافذ کریں۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں یہ مشورہ میں نومبر ۷۷ء میں قرآن کانفرنس میں بھی پیش کر چکا ہوں اور آج پھر اس کا اعادہ کر رہا ہوں۔

اب میں اس طبقے کے غور و فکر کے لئے جو "اسلام پسند" یا "اسلام دوست" کہلاتا ہے، کچھ مشورے پیش کروں گا۔ لیکن اس سے قبل میں چاہوں گا کہ آپ ایک طائرانہ نظر اپنے ملک کی سیاسی فضا پر ڈال لیں اور ایک سرسری سا جائزہ اس بات کا لے لیں کہ اس وقت سیاسی میدان میں کام کرنے والی جماعتوں اور پارٹیوں کی نوعیت و کیفیت

کیا ہے! ان کے موقف کیا کیا ہیں! ان کے مقاصد کیا ہیں! یہ تجزیہ میری بات کو سمجھنے کے لئے انتہائی ضروری ہے۔

آپ میں سے کون ایسا فرد ہوگا جو اس حقیقت سے ناواقف ہو کہ ہمارے ملک میں سیاسی جماعتیں بے شمار ہیں۔ درجنوں کے حساب سے ہیں اور اس میں ہرگز مبالغہ نہیں ہے۔ پھر ان جماعتوں کی کیفیات و انواع بھی باہم دگر بہت مختلف ہیں۔ کچھ جماعتیں خالص سیاسی ہیں، کچھ خالص مذہبی اور کچھ نیم سیاسی و نیم دینی جماعتیں ہیں۔ ہمارے ملک میں اس وقت جو محاذ آرائی (Polarisation) ہو رہی ہے۔ اس میں سب سے پہلی تقسیم اس بنیاد پر ہے کہ چند جماعتیں اور پارٹیاں وہ ہیں جو اسلام کو اپنی جگہ ایک مکمل نظامِ زندگی تسلیم کرتی ہیں اور اس میں کسی بیرونی نظام کی پیوندکاری کو ضروری نہیں سمجھیں بلکہ اس کو غلط متصور کرتی ہیں۔ یہی وہ پارٹیاں ہیں جو پاکستان کے وجود میں آنے کو بھی صحیح سمجھتی ہیں اور ان کو دین کے نفاذ کے لئے پاکستان کی بقا اور اس کا استحکام بھی عزیز ہے۔ پھر یہ پارٹیاں اس اہم اور بنیادی بات کی مُنقر اور قائل ہیں کہ پاکستان اس مقصد کے لئے قائم ہوا تھا کہ اسکے ذریعے عہد جدید کی ایک مثالی اسلامی ریاست اور عہد حاضر کا ایک مثالی معاشرہ دنیا کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ شہادتِ علی الناس کی جو ذمہ داری نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے پوری اُمتِ مسلمہ پر بحیثیت اُمت مجموعی طور پر عائد کی گئی تھی۔ وہ ذمہ داری کم از کم پاکستان کے ذریعے اُمت کے ایک حصے کی طرف سے ادا ہو سکے۔ چونکہ شہادت علی الناس کی ذمہ داری صرف انفرادی طور پہ ادا نہیں ہو سکتی۔ اس کے لئے ایک اسلامی معاشرہ اور اسلامی ریاست کا قیام ازبس ضروری ہے۔ اگر دین ہوتا محض انفرادی اور اخلاقی تعلیمات پر مشتمل تو ایک فرد بھی اپنی انفرادی سیرت سے اس کی کامل گواہی دے سکتا تھا۔ لیکن اگر دین انسان کی پوری اجتماعی زندگی کا احاطہ کئے ہوئے ہو، جیساکہ فی الواقع ہمارا دین کئے ہوئے ہے۔ تو اس کے حق ہونے کی شہادت ایک ایسے اجتماعی نظام، اجتماعی معاشرہ اور اسلامی ریاست کے ذریعے ہی دی جا سکتی ہے۔ جس میں مکمل طور پہ اُن برکات و حسنات کا ظہور ہو رہا ہو جو "دین الحق" یعنی اسلام میں اس کائنات کے رب، خالق، مالک اور حاکم نے رکھی ہیں اور جو دین منزّل من اللہ ہے۔

پاکستان کے قیام کی صورت میں اس امر کا امکان نظر آیا تھا کہ اس آرزو، تمنا اور خواہش کی طرف کچھ پیش رفت ہوگی کہ دنیا کے سامنے اسلامی نظام کی برکات وحسنات کا ایک عملی نمونہ پیش (Practical Demonstration) کیا جا سکے۔ قیام پاکستان کے محرکات میں ذہنًا یہ بات بھی شامل تھی کہ قیام پاکستان کے ذریعے عالم اسلام کے اتحاد (Pan-Islamism) کی طرف بھی ایک قدم ہوگا، جس سے ہندو قوم بڑی خائف تھی۔ گاندھی جی نے بھی ایک مرتبہ قائد اعظمؒ سے پوچھا تھا کہ آپ کے پاکستان کا مطلب Pan Islamism تو نہیں ہے۔ یہ سوال ہی بتارہا ہے کہ ان کو اس کا اندیشہ تھا۔ چنانچہ تقریبًا دو سال قبل بھارت میں ایک مشہور ہندو صحافی نے ایک مضمون لکھا تھا جس میں انہوں نے اس رائے کا اظہار کیا تھا کہ "ہمارا اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہندو تو صرف بھارت میں ہے جبکہ مسلمان پوری دنیا میں ہے۔ اس لئے بھارت کا پاکستان سے خائف رہنا حقیقی ہے۔" اسی ضمن میں ایک اور دلچسپ اور عجیب بات آپ کو سناتا ہوں۔ چند سال قبل ایک بڑے ہندو صحافی نے لکھا تھا کہ "بھارت کے داخلی اور خارجی مسائل کا بہترین حل یہ ہے کہ تمام ہندو مسلمان ہو جائیں، تب ہی ہم ترقی کرسکیں گے خوشحالی ہمارے قدم چومے گی اور ہمارے لئے تمام مسلم ممالک سے روابط اور تجارت کے راستے کھل جائیں گے۔ اس طرح مشرق وسطیٰ کی وسیع مارکیٹ کی راہ میں پاکستان رکاوٹ (Barrier) نہیں بنے گا۔" اس خیال کے پیچھے وہی بنیاپن کی ذہنیت کارفرما ہے کہ اصل قدر 'دنیا' ہے اور حصول دنیا کے لئے دھرم بدلنا پڑے تو بھی کوئی ہرج نہیں — یہ بات تو بطور جملہ معترضہ درمیان میں آگئی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ کوئی دیانت دار شخص اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا کہ پاکستان کا قیام اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی توقعات اور آرزوں کی تکمیل کے لئے ہوا تھا۔

پھر مجھے معلوم ہے کہ ہمارے ہاں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو نظام اسلامی کے قیام سے قطعی مایوس ہو چکے ہیں۔ ان کا ذہن اس توقع سے خالی ہو چکا ہے کہ فی الواقع اس ملک میں اسلامی نظام آئے گا۔ ایسے بھی کچھ لوگ ہیں جن کی زبان وقلم پر یہ بات آنے لگی ہے کہ پاکستان کا قیام خواہ مخواہ ہوا ہے اس سے کوئی مستقل فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ یہ نتیجہ ہے اس بات کا کہ اسلامی نظام کا نفاذ جو تحریک پاکستان کی حقیقی منزل تھا" ہنوز

روزِ اوّل" کی کیفیت سے دوچار ہے۔ اس معاملہ میں جتنی تاخیر و تعویق ہوگی وہ اسی اوسط تناسب سے اس مایوسی کی کیفیت میں اضافہ کا باعث ہوگی اور کسی قوم کے کسی ایک طبقے کا مسلسل مایوسی سے دوچار ہوتے چلے جانا قوم و ملک کے لئے انتہائی تشویش ناک ہے۔ اس طرح وحدتِ فکر کے قلعے میں مسلسل شگاف پڑتے رہنے کا احتمال قوی تر ہوجاتا ہے۔

بہرحال میں نے دو نمایاں تقسیموں کا ذکر کیا تھا، جس میں پہلی تقسیم داہنے بازو (Rightists) کی جماعتوں کا مختصر طور پر میں نے تجزیہ پیش کیا ہے۔ دوسری بڑی تقسیم ان جماعتوں کی ہے جو بائیں بازو (Leftists) کی پارٹیاں کہلاتی ہیں۔ ملک میں ان پارٹیوں کے وجود سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ان پارٹیوں کی نگاہیں کہیں باہر ہیں۔ انکے فکر میں غیر اسلامی نظریات نے ڈیرا جمایا ہوا ہے۔ ان کے متوسلین کی اکثریت ان لوگوں پر مشتمل ہے کہ جن کا نام کے سوا اسلام سے کوئی واجبی سا تعلق بھی نہیں ہے بلکہ نظریہ و عقیدے کے لحاظ سے ان کو اسلام سے ایک طرح کا بیر ہے۔ کچھ واقعات و حالات کی وجہ سے ان کے نظریاتی اختلافات کی خلیج اور گہری ہوگئی ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ انتقامی جذبات ان پر شدت سے غالب ہیں اور یہ آگ ان کے دلوں میں روز افزوں ہے۔ پھر ہماری مغربی سرحد پر ہمارے ایک مسلم برادر ملک پر توسیع پسند سرخ سامراج کی تاخت و تاراج نے ان کے حوصلے بڑھا دیئے ہیں۔ یہ حقائق ہیں، ان سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ان ہی حالات کو دیکھتے ہوئے ہمارے صدرِ مملکت جب یہ کہہ سکتے ہیں کہ ملک میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو ٹینکوں کے منتظر ہیں اور بے چین ہیں کہ جارحانہ یورش کرنے والوں کے گلوں میں ہار ڈالیں۔ ہمارے ملک کی سب سے زیادہ ذمہ دار شخصیت ان خدشات کا اظہار کر رہی ہے۔ جس کے معنی ہیں کہ امرِ واقعہ تو ہے۔

پس یہ دو نمایاں قسمیں ہمارے ملک میں موجود ہیں۔ اس تقسیم میں دوسری قسم کی تقسیم کو مزید تقویت پہنچانے والی چیز ہے "علاقائی (Regional) عصبیت و تعصب اور محاذ آرائی"۔ اس صورتِ حال سے فی الواقع ہمارا ملک اس وقت دوچار ہے۔ حقائق کو تسلیم کرکے اس کا حل تلاش کرنا دانشمندی کا تقاضا ہے اور ان سے آنکھیں بند کرلینا یا ان کا سرے سے انکار کردینا ناعاقبت اندیشی ہے جو ملک کے مستقبل کے لئے

انتہائی مہلک ثابت ہوسکتی ہے ۔ میرا خیال ہے کہ اس دوسری قسم کا شاید ہی کوئی فرد یہاں موجود ہو اگر ہو تو میری درخواست ہے کہ وہ میری اس گفتگو کو توجہ سے سنیں اور اس پر سنجیدگی سے غور کریں ۔ اس موقع پہ میں اپنی اس رائے کا بھی اظہار کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ میں اس بات کا قائل ہوں کہ اس نقطۂ نظر کے افراد کو بھی قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنی بات کہنے کا حق ہونا چاہیئے ۔ قانونی حدود سے باہر کوئی غلط بات کہیں تو ان کو روکیئے ، ٹوکیئے اور اگر ضرورت لاحق ہو تو ان کے خلاف عدالتی کاروائی کیجیئے ۔ لیکن ان کو منظر (SEEN) سے بالکل ہٹا دینا درست نہیں ۔ یہ طرزِ عمل فوری طور پر تو کچھ مفید ہوتا ہے ، نتیجے کے اعتبار سے مفید نہیں ہوتا ۔ اس طرح افواہوں کے پھیلنے کا امکان زیادہ ہو جاتا ہے ۔ ان کو اپنی بات (openly) کہنے اور پھر دوسروں کو اس پر ردّ و قدح (CRITICIZE) کرنا چاہیئے ۔ بہرحال اس وقت میرے اصل مخاطب وہ نہیں ہیں ۔ بھلا میں ان کو کیا مشورہ دوں گا ۔ ان کے نظریات کچھ اور ہیں ۔ ان کی نگاہیں کہیں اور ہیں ۔ ان کی سوچ کچھ اور ہے ۔ ان کے عزائم کچھ اور ہیں ۔ مشورہ تو وہاں دیا جاتا ہے جہاں کوئی قدرِ مشترک موجود ہو ، وہاں تو بات کرنے کا کوئی فائدہ ہوتا ہے ۔ لہٰذا اس وقت میرے اصل مخاطب پہلی قسم یعنی دائیں بازو کی جماعتوں کے لوگ ہیں ۔ ان کی خدمت میں ، میں کچھ معروضات پیش کرنا چاہتا ہوں اس امید پہ کہ آج کے اس مجمع میں سے جو حضرات اس طبقے سے کوئی ربط و تعلق رکھتے ہوں تو وہ ان معروضات کو اس حلقے کے ذمہ دار اور صاحب فکر حضرات تک پہنچا کر تعاون کریں گے ۔

جو کچھ میں ان کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں ، اسے مشورہ کہہ لیجئے ۔ اپیل کہہ لیجیے ۔ میری آرزو اور تمنّا کہہ لیجئے ۔ میری مخلصانہ دردمندانہ رائے کہہ لیجئے ۔ بہرحال میں اس توقع پر یہ بات کہہ رہا ہوں کہ اپنے فہم کے مطابق صحیح مشورہ دینا میں اپنی دینی اور قومی ذمہ داری خیال کرتا ہوں اور ان شاء اللہ یہ عمل ضائع نہیں ہوگا اگر لوگوں نے قبول کر لیا تو فھُوَ المطلوب ۔ اگر ردّ کر دیا تو بھی میں اخلاص و حُسنِ نیّت کے اجر سے محروم نہیں رہوں گا ۔ قولِ حسن اور قولِ سدید کی خاصیّت یہ ہوتی ہے کہ وہ بالکل رائیگاں نہیں جاتا اور اگر اس کے ساتھ محنت ہو کوشش ہو اور عمل صالح بھی ہو تو بات اوپر اٹھتی ہے

يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ط

—— ہوسکتا ہے کہ آپ میں سے کسی صاحب کے ذریعے یہ باتیں ذمہ دار ——

لوگوں تک پہنچ جائیں اور ان کے دل میں بات اُتر جائے اور عمل کی طرف کچھ پیش رفت ہو سکے

میرے نزدیک اس محاذ آرائی (Polarisation) میں جس کے آثار فضا میں نظر آ رہے ہیں دائیں بازو کی جماعتوں کا کثیر تعداد میں موجود رہنا ہی اصل میں تباہ کن ہے ۔ یہی بات ہمارے بہت سے مخلص رہنما بار بار کہہ چکے ہیں ۔ میں اس کی تائید کر رہا ہوں ۔ جماعتوں کی اسی کثرت نے آج تک ہر مرحلے پر شکست دلائی ہے ۔ ہر فتح کو شکست میں تبدیل کرایا ہے جماعتوں کی اس کثرت کی بدولت ماضی میں اس تلخ اور تباہ کن نتائج سے سابقہ پیش آ چکا ہے کہ دائیں بازو کی جماعتوں کو حالانکہ تریسٹھ فی صد ووٹ ملے تھے اور بائیں بازو کی جماعتوں کو سینتیس فی صد ۔ لیکن ۶۳ فی صد ووٹ تقسیم ہو گئے لہٰذا وہ اسمبلی میں اکثریت حاصل نہ کر سکیں اور ۳۷ فیصد ووٹ لینے والی پارٹی حکمران بن گئی۔ اب اگر ہم نے اسی طرزِ عمل کا اعادہ کیا تو اس کے نتائج بھی وہی نکلیں گے جو پہلے نکل چکے ہیں ۔ ۱۹۷۰ء کا دور یاد کیجئے ۔ وہ اسی ملک میں آیا تھا ۔ اس کے بعد نہ زمین بدل گئی ہے نہ آسمان بدل گیا ہے ۔ وہ غیر متبدل ہیں ۔ وہ تو قیامت کے بدن بدلیں گے ۔ یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ ۔ ابھی تک تو وہی زمین ہے ، وہ آسمان ہے ۔ جو نتائج اس وقت (۱۹۷۰ء میں) نکلے تھے ، اور جن حالات میں نکلے تھے ، ویسے ہی حالات میں وہی بلکہ ان سے بھی بدتر نتائج آج بھی نکل سکتے ہیں چونکہ آج ہماری مغربی سرحد کے پار سے بائیں بازو (Leftists) کی جماعتوں کو تعاون کی بڑی امیدیں ہیں ۔ بہرحال یہ اندازے (Assessment) کا معاملہ ہے میں اس بارے میں کوئی حتمی بات نہیں کہہ سکتا ۔ ہمارے صدرِ مملکت نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ کوئی تشویش ناک بات نہیں ہے ۔ ہو سکتا ہے کہ ان کا خیال درست ہو اور اس کا بھی امکان ہے کہ وہ بھی اُنہی مغالطوں میں مبتلا ہوں ، جن میں بھٹو صاحب تھے کہ ان کو اپنی کرسی بڑی مضبوط نظر آتی رہی ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارے صدر صاحب کے گرد کوئی ایسا ہی حالہ ہو جو ان کو صحیح حالات اور صورتِ واقعہ سے بے خبر رکھے ہوئے ہو ۔ واللہ اعلم ۔

میں نہیں کہہ سکتا ۔ لیکن یہ بات بالکل سامنے کی بات ہے کہ دائیں بازو کی جماعتوں کی کثرت اور اُن کے اختلافات اور تفرقے ان مقاصد کے حصول میں جو ان کے

پیش نظر ہیں ایک زبردست رکاوٹ ہیں بلکہ انتہائی تباہ کن ہیں ۔ آج پھر ملک میں جو محاذ آرائی کا سلسلہ شروع ہوتا نظر آرہا ہے تو اس مرحلے پر ان جماعتوں کو اس بات پر سنجیدگی سے غور و فکر اور موثر عملی اقدامات کرنے کی ضرورت ہے کہ کس طرح ان جماعتوں کی تعداد کو کم اور اختلافات و تفرقے کو ختم کیا جا سکتا ہے ۔ میں نے اس پر کافی غور کیا ہے اور اسی غور و فکر کا حاصل میں آج پیش کر رہا ہوں ۔

میرے نزدیک انتہائی ضروری ہے کہ ان دائیں بازو کی جماعتوں کو شعوری اور ذہنی اعتبار سے یہ تقسیم کر لینی اور یہ بات طے کر لینی چاہیئے کہ اسلام اور پاکستان کی بقا اور استحکام کے لئے کرنے کے "دو کام" اور "دو میدان" ہیں ۔ ایک میدان ہے "سیاست یعنی انتخابات اور حکومت کا ۔ اور دوسرا میدان ہے دعوت و اصلاح کا ۔ پہلے تو یہ طے کیا جائے کہ کون کس میدان میں کام کرنا چاہتا ہے ۔ یہ گڈ مڈ والا معاملہ انتہائی تباہ کن ہے ۔ میں پورے یقین کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ اگر آنے والے مرحلے میں ان دائیں بازو (اسلام پسند) جماعتوں نے شکست کھائی تو وہ شکست سابقہ شکست سے کہیں زیادہ ہولناک اور تباہ کن ہوگی اب معاملہ محض انتخابی شکست تک محدود نہیں رہے گا اب انتقامی جذبات ہیں ۔ ایک سپر پاور ہمارے دروازے پر آکر بیٹھ گئی ہے ۔ کچھ لوگوں کا اگر یہ خیال ہے کہ شاید انڈونیشیا والا معاملہ یہاں ہو جائے گا اور جیسے وہاں ایک خاص نظریے کے لوگوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ دیا گیا تھا ایسے ہی یہاں بھی ہو سکتا ہے تو وہ اس خیال خام کو ذہن سے نکال دیں اول تو یہ فعل ہی سرے سے غلط ہے دوسرے یہاں معاملہ بہت مختلف ہے ۔ روس کے اپنے مفادات ہیں جن کے لئے وہ ہر مناسب موقعہ (opportunity) کا منتظر ہے اب وہ ہم سے براہ راست متعلق ہے ۔ اس کی توپیں اس شاہراہ کی طرف لگی ہوئی ہیں جن پر ہمیں بڑا اعتماد اور انحصار ہے افغانستان کے صوبے واخان کو اس نے پوری طرح قابو یافتہ کرکے وہاں اپنے جو مورچے قائم کئے ہیں اس کی وجہ یہی ہے ۔ پس حالات میں بڑا فرق ہے اب اگر "اسلام پسند" جماعتوں کو شکست ہوئی تو وہ بہت ہی خوفناک تباہی پر منتج ہو گی ۔ اور صرف انسانی جان و مال کے اتلاف ہی پر معاملہ ختم نہیں ہوگا بلکہ ہمارا ملک پاکستان جس مقصد کے لئے وجود میں آیا ہے اور جو امیدیں اس سے وابستہ ہیں اس اعتبار سے

معاملہ بہت نیچے چلا جائے گا۔ لہٰذا جس کے لئے بھی ممکن ہے اور شخص بھی اس طبقے کے کسی ذمہ دار شخص تک رسائی رکھتا ہے، اس کا دینی اور قومی فریضہ ہے کہ وہ ان کی خوشامد کرے۔ ان کے سامنے اگر ضرورت ہو تو گڑگڑائے کہ خدا را اختلافات اور تفرقے کی خلیج کو پاٹنے کی مخلصانہ کوششیں کیجیے۔ یہ جماعتوں کی کثرت اور ان کی باہمی رسہ کشی پاکستان کے مستقبل کے لئے انتہائی خطرناک ہے۔

بظاہر جو فضا میں سکون نظر آ رہا ہے تو اس کی وجہ سیاسی سرگرمیوں پر موجود پابندی ہے ورنہ بڑے دکھ سے عرض کرتا ہوں کہ صورتِ واقعہ یہ ہے یہ جماعتیں ایک دوسرے سے انتہائی خار کھاتی ہیں۔ ان کے زعماء میں سے اکثر کے دل ایک دوسرے کی کدورت سے بھرے ہوئے ہیں۔ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَّقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ والی کیفیت ہے کہ 'تم سمجھتے ہو کہ یہ متحد ہیں حالانکہ ان کے دل پھٹے ہوئے ہیں'، اندر سے یہ ایک دوسرے کو اڑنگے لگا رہے ہیں، ایک دوسرے کی ٹانگیں گھسیٹ رہے ہیں۔ ماضی میں یہ لوگ عوام کے سامنے آکر ایک ساتھ اسٹیج پر بیٹھتے تھے لیکن اندرونی حال یہ تھا کہ ایک دوسرے کو زک دینے کی فکر دامن گیر رہتی تھی۔ یہ محض قیاس وگمان نہیں ہے بلکہ یہ تمام افسوسناک حالات اخبارات کے ذریعے ملک کے سامنے آ چکے ہیں۔ اس صورتِ حال کو واقعتاً ختم کرنے ہی میں عافیت ہے۔ ورنہ ہمارے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ اس سے آگے ایک اور اقدام ضروری ہے وہ یہ کہ واضح طور پر وہ متعین ہو جائے کہ کس کو کس میدان میں کام کرنا ہے۔ میں نے ابتدا میں عرض کیا تھا کہ ہمارے ملک میں دین کا کام کرنے کے دو میدان ہیں۔ ایک انتخابات میں حصہ لے کر ایوانِ اقتدار میں کثریت سے پہنچنے کی سعی وکوشش کا میدان اور دوسرا دعوت وتبلیغ کے ذریعے سے لوگوں کے افکار کی تطہیر اور سیرت وکردار کی تعمیر کی جدوجہد کا میدان۔ اصلاحِ معاشرہ کا عظیم الشان کام۔ ایک رائے یہ ہے کہ جب تک حکومت کی اصلاح نہیں ہوگی، اس وقت تک اس ملک میں نہ اسلامی نظام کے قیام کی طرف صحیح طور پر پیش رفت ہوگی اور نہ ہی معاشرے کی اصلاح ہو سکے گی۔ مجھے اس سے اختلاف ہو بھی، تب بھی میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ اس نظریے اور رائے میں خلوص ہو سکتا ہے اور یہ عمل کسی نہ کسی درجہ میں شائد مفید مطلب بھی ہو سکے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ اس رائے کا محرک محض اقتدار پسندی

ہی ہو اس میں خلوص و اخلاص ہو سکتا ہے۔ یہ رائے دیانت پر بھی مبنی ہو سکتی ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ کُل کا کُل معاشرہ بگڑا ہوا ہے۔ باستثنائے چند یہاں ہر شخص ذاتی مفادات کا غلام بنا ہوا ہے۔ ہر شخص چور ہے۔ خائن ہے۔ تناقض و منافقت کے روگ میں مبتلا ہے۔ یہاں چراغ لے کر ان لوگوں کو ڈھونڈنا پڑے گا جو دیانت دار اور امانت دار ہوں۔ مجھے بتائیے کہ یہاں وہ کون لوگ ہیں جن کے پاس کوئی منصب ہو اور وہ اس سے ناجائز انتفاع نہ کر رہے ہوں! وہ کون لوگ ہیں جن کے پاس کوئی اختیار ہو اور وہ اس کو ناجائز طور پر استعمال نہ کر رہے ہوں! حکومت کے وہ کون سے عمّال اور اہل کار ہیں جو رشوت کی لعنت میں گرفتار نہ ہوں! ۔ وہ کون سے صنعت کار، تجار، زمیندار اور مزدور و کاشت کار ہیں جو اپنے اپنے دائرہ عمل میں دیانت و امانت کے ساتھ اپنے اپنے فرائض انجام دے رہے ہوں! کتنے لوگ ہیں جو کھانے پینے اور ادویہ میں ملاوٹ نہ کر رہے ہوں! کتنے لوگ ہیں جو ڈیوٹی، انکم ٹیکس، چنگی وغیرہ بچانے کے لئے دھاندلی نہ کرتے ہوں! ۔ کچھ لوگ ہیں جو ان برائیوں سے خود کو بچائے ہوئے ہیں، ابھی یہ معاشرہ خیر سے بالکل محروم نہیں ہوا۔ لیکن اس کا تناسب آٹے میں نمک کے تناسب سے بھی کم ہے۔ معلوم ہوا کہ پورے معاشرے میں بگاڑ ہے۔ آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے۔ لہٰذا حکومت کی اصلاح بھی صحیح معنوں میں اُسی وقت ممکن ہو گی جب معاشرے کے معتد بہ حصے کی اصلاح ہو گی چونکہ کسی ملک کا اقتدار اور حکومت اُسی معاشرے کی اقدار کا پرتو اور عکس ہوتی ہے۔ کچھ لوگ یہ دوسری رائے رکھتے ہیں اور میری بھی رائے یہی ہے لہٰذا جو لوگ پہلی رائے رکھتے ہوں کہ ان کو یہ تسلیم کرنا چاہیئے کہ یہ رائے بھی دیانت و اخلاص پر مبنی ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ پہلی رائے بھی مبنی بر خلوص و دیانت ہو سکتی ہے کہ مقدّم کام حکومت کی اصلاح ہے جب تک اس کی اصلاح نہیں ہو گی۔ کچھ نہیں ہو سکے گا۔ چونکہ اسی کے ہاتھ میں ہر قسم کے وسائل و ذرائع ہوتے ہیں۔ نظام تعلیم، نظام عدلیہ، نظام مالیات اور ذرائع ابلاغ عامہ سب اس کے قابو میں ہوتے ہیں۔ ان کو ہاتھ میں لے کر معاشرے کی اصلاح کا کام موثر طور پر کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح دیانتاً یہ رائے بھی ہو سکتی ہے کہ حکومت کی اصلاح بھی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک معاشرے کے معتد بہ عنصر کی اصلاح نہ ہو۔ مقدم کام دعوت و اصلاح کا

کا میدان ہے۔ ہمارا معاشرہ فکر و نظر اور اخلاق کردار کے لحاظ سے جس حال میں ہے اس میں ممکن ہی نہیں کہ زمام کار صالحین کے ہاتھ میں آسکے اور اگر بختِ اتفاق سے آ بھی جائے تو حکومت کی مشینری جن کار پردازان پر مشتمل ہے وہ حکومت کی پالیسیوں کو جب چاہیں اور جس طرح چاہیں ناکام بنا سکتے ہیں۔ لہٰذا اوّلین اہمیت اس کی ہے کہ اسلام کی دعوت و تبلیغ کے ذریعے بڑے وسیع پیمانے پر تطہیرِ افکار اور تعمیرِ سیرت و اخلاق کی جدوجہد ہو۔ ایمان باللہ، ایمان بالآخرت اور ایمان بالرسالت کی بنیادیں قلوب و اذہان میں جاگزیں اور پختہ ہوں اور حقیقی تقویٰ پیدا ہو۔ یہ ہے کام کی پہلی منزل اور پہلا میدان!

اب کیا ہونا چاہیے! یہ بڑا اہم سوال ہے! اس کا جو صحیح اور مناسب حل میری سمجھ میں آیا ہے، وہ میں پوری دردمندی کے ساتھ پیش کر دیتا ہوں۔ میری رائے میں یہ طے ہو جانا ضروری ہے کہ کون سی جماعت کس میدان میں کام کرنے کو ترجیح دیتی ہے۔ بہت سی جماعتوں کے مقاصد گڈمڈ قسم کے ہیں۔ کوئی صرف کسی خاص فقہی یا کلامی عقیدے کی بنا پر یا تعبیر با راجح و مرجوح اور افضل و مفضول کے اختلافات کی بنیاد پر علیحدہ جماعت ہے۔ ایک خاص نوعیت کے عقائد رکھنے والا ہی اس جماعت سے وابستہ ہو سکتا ہے پھر وہ جماعت سیاست میں بھی حصہ لے رہی ہے۔ اب ہوتا یہ ہے کہ ایسی جماعت سیاست کے میدان میں بھی اپنے خاص فقہی مسلک کو پیشِ نظر رکھ کر کام کرتی ہے۔ ہر موقع پر اپنے خاص مسلک کے تحفظ و تشخص کی کوشش ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دوسرے مسالک کے حاملین سے تصادم ہوتا ہے اور اختلافات کی خلیج اور وسیع ہوتی ہے۔ انتشار اور بڑھتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ یہ دو جُداجُدا میدان (Fields) طے ہو جائیں۔ جس جماعت کو اپنے فقہی مسلک کا تحفظ کرنا ہے وہ اپنے حلقہ اثر میں یہ کام کرے۔ عوام الناس میں وہ صرف دعوت و تبلیغ کا ہدف اصلاح اعمال و اخلاق کو بنائے اور قرآن و سنت کی روشنی میں لوگوں کو حقیقی مسلمان بننے کی تلقین کرے۔ دلائل سے لوگوں کو قائل کرنے کی کوشش کرے۔ اپنے مسلک اور دعوتی کام کو سیاسی تفوق کے لئے استعمال نہ کرے اور نہ ہی مناظرہ والی کیفیت ہو بلکہ دعوتی اور علمی انداز میں کام ہو۔ ایسی جماعتوں پر لازم ہو کہ وہ سیاسی اور خاص طور پر انتخابی سیاسی میدان میں بحیثیت جماعت کوئی حصہ نہیں لیں گی۔ سیاسی جماعت صرف ایک ہو گی۔ اچھی طرح جان لیجئے کہ اس طرح کی فقہی

وکلامی مسائل کی بنیاد پر جو جماعتیں بھی انتخابی سیاست میں حصہ لیں گی اور دوسرے مسالک کی جماعتوں کے مقابلے میں سیاسی میدان میں محاذ آرا ہوں گی تو اس ملک کو تباہی سے بچانا تقریباً ناممکن ہوگا۔ اس قسم کی نیم مذہبی اور نیم سیاسی جماعتیں چار پانچ نہیں اگر سمٹ سمٹا کر صرف دو ہی رہیں تب بھی مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ یہ بھی انتہائی خطرے کی بات ہے۔ دوسرا طبقہ جو فی الوقت پیش منظر میں موجود نہیں ہے لیکن فی الواقع وہ موجود ہے۔ پہلے سے کہیں زیادہ مضبوط ہے۔ اس کے اثرات کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ ہمارے معاشرے کے تمام مفاد پرست لوگ اس کی پشت پر ہیں۔ اب اس گروہ پر انتقامی خدمات بھی غالب ہیں۔ بیرونی امداد اور آشیرواد بھی اس کو بآسانی حاصل ہوسکتی ہے بلکہ ممکن ہے کہ اب بھی حاصل ہو۔ پھر یہ گروہ سیاسی ہتھکنڈوں سے بھی بخوبی واقف ہے۔ اپنے مقصد کے حصول کے لئے صحیح و غلط، جائز و ناجائز کا کوئی معیار اس کے سامنے نہیں ہے۔ اخلاق کی ہر قدر سے یہ گروہ تہی دست ہے۔ پھر اس طبقے کے بہت سے لوگ سات سال تک حکومت کے کلیدی عہدوں پر فائز رہے ہیں۔ اور خدا ہی جانتا ہے کہ کتنے آستین کے سانپ اب بھی حکومت کی صفوں میں موجود ہیں اور ان لوگوں کو نہ اسلام سے محبت ہے نہ ملک سے۔ لہٰذا اگر دائیں بازو کی جماعتیں زیادہ نہیں بلکہ صرف دو بھی انتخابات میں ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوئیں تو بھی یہ طبقہ ان جماعتوں کے اندرونی اختلافات کو خوب ہوا دے گا اور ان کو آپس میں لڑا کر اپنے لئے کامیابی کی راہ نکال لے گا۔

اس نازک صورتِ حال سے بچنے کی واحد صورت یہی ہے کہ سیاست کے میدان میں صرف ایک جماعت کا ہونا ضروری ہے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان میں جو صلاحیت ہے جو استعداد ہے اس کو وہ سیاست کے میدان میں ملک اور دین کی زیادہ بہتر اور موثر خدمت میں لگا سکتے ہیں، وہ اس میدان میں بلاتکلف کام کریں۔ لیکن وہ ایک واحد سیاسی جماعت کے پلیٹ فارم پر جمع ہوں اور اس کے نظم کے تحت کام کریں۔ میں نام نہیں لیتا کہ وہ واحد سیاسی جماعت کونسی ہو! بہرحال ایک واحد جماعت لازمی ہے جس میں یہ پابندی ضروری ہو کہ اس میں وہی لوگ شامل ہوسکیں گے جو اسلام پسند یا اسلام دوست ہوں۔ اس جماعت میں علماء بھی شامل ہوں۔ چاہے پارٹی کی قیادت ان کے ہاتھ میں نہ ہو۔ آخر قیام پاکستان کے وقت بھی تو ایک ہی سیاسی پارٹی تھی۔ جس کی قیادت علماء کے ہاتھ میں

نہیں تھی - بلکہ جدید تعلیم یافتہ اسلام دوست سیاست دانوں کے ہاتھ میں تھی - اگرچہ اُس وقت کے اور اس دور کے سیاست دانوں کے کردار میں زمین و آسمان کا فرق واقع ہو چکا ہے - ہم نے بڑا زمین و آسمان کا فرق دیکھا ہے - قائدِ اعظم اور نام نہاد قائدِ عوام کے مابین - معاملہ گو بڑا مختلف ہو چکا ہے - بہرحال اُس وقت قیادت علماء کے ہاتھوں میں ہونے کے بجائے ان لوگوں کے ہاتھوں میں تھی جو اسلام پسند تھے - گو ان میں سے بہت سوں کا اسلام کے ساتھ عملی تعلق کافی کمزور تھا - اس حقیقت کو آج بھی تسلیم کیجئے خواہ مخواہ اپنے آپ کو دھوکہ دینے کا حاصل کچھ نہیں - جب اس ملک کے عوام کی فکری اور اخلاقی تربیّت کی طرف توجہ دی ہی نہیں گئی - اور اگر دی گئی تو بہت کم - اس میدان میں جو جماعتیں اور جو لوگ یہ کام کر سکتے تھے وہ سیاسی کھیل میں لگے رہے اور ووٹروں کی خوشنودی کے پیشِ نظر عوام الناس کی دینی اعتقادی عملی اور اخلاقی اصلاح کے کاموں سے غض بصر کرنے پر مجبور ہوتے - لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ تا حال ہمارے عوام میں فکر و نظر اور سیرت و اخلاق کے لحاظ سے کوئی نمایاں اور بنیادی تبدیلی ہمارے معاشرے میں نہیں آئی ہے بلکہ معاملہ نیچے ہی گیا ہے - پس سیاسی قیادت علماء کے ہاتھ میں آجانے کا فی الحال دُور دُور امکان نہیں ہے - سیاسی قیادت تو فی الوقت اسی قسم کے لوگوں کے ہاتھوں میں آئے گی جو سیاسی کہلاتے ہیں - اس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہیئے - جب معاشرے کی اصلاح کا کام انجام نہیں دیا گیا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اس معاشرے سے وہ قیادت اُبھر سکے جو نظری طور پر ہی نہیں بلکہ عملی طور پر بھی اسلامی سیرت و کردار کا مکمل نمونہ ہو، یہ خواہش و تمنا اپنی جگہ بہت مبارک ہے لیکن محض آرزو اور تمنا سے یہ کام نہیں ہو سکتا - اس کے لئے تو پہلے معاشرے کو تبدیل کرنے کے لئے مسلسل و پیہم جدوجہد کرنی ہو گی - سیاسی میدان میں صرف ایک ہی جماعت ایک ہی پارٹی ازبس ضروری ہے ورنہ انتشار رہے گا اور شکست یقینی ہوگی - جیسا کہ ہمیں تجربہ ہو چکا ہے - اگر کچھ لوگوں کو واقعتاً اس ملک کا مستقبل عزیز ہے اور جو اس ملک کو اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے بچانا چاہتے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہوں کہ اس کے لئے سیاسی میدان میں کام کرنا ضروری ہے تو ان کے لئے لازم ہے کہ وہ اس امر کی ہر ممکن کوشش کریں کہ اسلام اور پاکستان سے حقیقی وابستگی رکھنے والے تمام لوگوں کی ایک واحد سیاسی جماعت ہو، ایک پلیٹ فارم اور ایک جھنڈا ہو - اور انتخابی میدان میں یہی

ایک پارٹی دوسرے نقطۂ نظر رکھنے والوں سے انتخابی مقابلہ کرے ۔

اس ضمن میں یہ بھی عرض کردوں کہ اس مقصد کے لئے جماعتوں کا کوئی "متحدہ محاذ" ہرگز مفیدِ مطلب نہیں ہوگا ۔ کوئی کتنی احتیاط ملحوظ رکھے تجربہ اور جماعتی عصبیت بہر نوع باقی اور قائم رہتی ہے اور موقع بموقع گل کھلاتی رہی ہے ۔ پہلے مرحلے ہی میں اپنی اپنی جماعتوں کی تناسب نمائندگی کا مسئلہ متنازعہ فیہ بنتا ہے ۔ پھر ہر جماعت شعوری اور غیر شعوری طور پر اس 'متحدہ محاذ' کو اپنی جماعت کا Image بنانے کے لئے استعمال کرتی ہے ۔ قدم قدم پر جماعتی مفادات اور تحفظات آڑے آتے ہیں ۔ پھر انتخاب کے مرحلے پر اسمبلیوں کی نشستوں کے لئے نمائندگی کے تناسب پہ کھینچ تان ہوتی ہے ۔ یہ مراحل طے بھی ہو جائیں تو ہر وقت یہ اندیشہ لاحق اور یہ خطرہ سر پر منڈلاتا رہتا ہے کہ انتخاب کے بعد اسمبلی میں ان نمائندگان کا جو مختلف سیاسی جماعتوں سے تعلق رکھتے ہیں کردار کیا ہوگا ؟ کوئی کسی وقت علیٰحدہ نہ ہو جائے اور علیٰحدہ نہ بھی ہو تو توازن (Balance) قائم رکھنے کے لئے بے جا دباؤ نہ ڈالے ۔ فرانس جیسے سیاسی شعور کے لحاظ سے کہیں ترقی یافتہ ملک میں "متحدہ محاذ" والا یہ تجربہ کئی بار ناکام ہو چکا ہے ۔ ترکی میں بھی یہی صورتِ حال پیش آ چکی ہے اور ابھی حال ہی میں بھارت میں "جنتا پارٹی" کے نام سے مختلف پارٹیوں کا جو 'متحدہ محاذ' بنا تھا اور اس نے اسمبلی میں اکثریت بھی حاصل کر لی تھی، بُری طرح ناکام ہوا ۔ لہٰذا ہمارے ملک کے سیاسی شعور کے معیار کو دیکھتے ہوئے یہ احتمال قوی تر ہے کہ اس قسم کا "اتحاد" زیادہ دیر تک باقی نہیں رہ سکے گا اور اسمبلی میں جا کر مختلف عوامل اس "اتحاد" کی شکست و ریخت کا باعث بن جائیں گے ۔ اس لئے واضح و موثر اکثریت حاصل کرنے اور ایک مضبوط حکومت بنانے کے لئے ضروری ہے کہ دائیں بازو سے تعلق رکھنے والے تمام سیاست دان اور علماءؒ ایک ہی جماعت کے نظم اور منشور کی پابند ہوں ۔

اب رہا ان حضرات کا معاملہ جو اس بات کو ترجیح دیں کہ ہم کو دعوت و تبلیغ اور اصلاح کے میدان میں کام کرنا ہے اور لوگوں کو فکری و نظری اور عملی طور پر اسلام پہ کاربند رہنے کی تربیت دینی ہے ۔ اجتماعی شعور کو اسلام کی حقانیت کا مقر بنانا ہے ۔ ان میں تعلق باللہ قائم کرنا ہے ۔ ان کو محاسبہ اُخروی سے خبردار کرنا ہے ۔ ایمان بالرسالت

کے لوازم سے ان کو آگاہ کرنا ہے ۔ تو ان لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ انتخابی سیاست سے ہاتھ اٹھالیں اور طے کرلیں کہ انتخابی سیاست کا میدان اور ایوان اقتدار میں شرکت ان کے لئے شجر ممنوعہ ہے وہ ہر ہنگامی و وقتی ترغیبات سے اپنا دامن بچائیں گے پوری یکسوئی کے ساتھ دعوت و اصلاح کے کام میں اپنی توانائیاں، صلاحیتیں، اوقات اور وسائل صرف کریں گے ۔ان کے کام میں اس بات کا ادنیٰ شائبہ بھی نظر نہ آئے گا جس سے یہ شک پیدا ہو کہ یہ کام انتخابی میدان میں اپنے تشخص یا اپنی جماعت کی ساکھ قائم کرنے کے لئے انجام دیا جارہا ہے ۔ان کے عمل پیہم سے یہ ظاہر ہو کہ ان کا مطلوب و مقصود رضائے الہٰی کے سوا اور کچھ نہیں ۔ حسب ضرورت یہ لوگ حکومت کو فکری و نظری رہنمائی دینے اور نصح و خیر خواہی کے جذبے اور فرض کے تحت مفید مشورے دینے کو اپنی دینی ذمہ داری سمجھیں ۔اس نہج پر کام کرنے کی بدولت یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ اصلاح معاشرہ کے تناسب کے مطابق ان شاء اللہ حکومت کے معاملات کی بھی بتدریج و مسلسل اصلاح ہوتی چلی جائے گی ۔

اس ضمن میں، میں یہ نہیں کہتا کہ دعوت و اصلاح کے لئے بھی کوئی ایک جماعت بن جائے چونکہ میرے نزدیک یہ بڑا ہی مشکل کام ہے ۔ یہ عقائد اور فقہی مسائل میں اختلافات کا معاملہ ہے ۔ یہ جلد اور بہ آسانی بدلنے اور ختم ہونے والے نہیں ۔سیاست کے میدان اور حکومت کے معاملات میں فقہی اور کلامی مسائل سے زیادہ اہم معاملہ اسلام اور پاکستان کے نظریے کے ساتھ وابستگی کا ہے لہٰذا اس کام کے لئے ایک واحد جماعت کا قیام ممکن بھی ہے اور سہل بھی ۔ دعوت و اصلاح کے میدان میں فقہی و کلامی اختلافات سے سابقہ پیش آئے گا ۔ مجھے یہ بات پسند ہو یا ناپسند، امر واقعہ میں تو اختلافات موجود ہیں ۔مختلف فقہی مکاتیب فکر ہمارے ہاں عملاً موجود ہیں ان کا ایک جماعت میں ضم ہونا بہت مشکل ہے البتہ ضروری ہے کہ اس میدان میں کام کرنے کا صحیح نہج یہ ہونا چاہیئے کہ فقہی، فروعی، جزوی اور کلامی نوعیت کے اختلافات میں شدت و مخالفت سے اجتناب کیا جائے ۔اختلاف اور مخالفت میں بڑا فرق ہے ۔ معاملہ اختلاف تک رہے تو کوئی مضائقہ نہیں تعبیر و رائے کا اختلاف تو صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ میں بھی تھا ۔ بایں ہمہ وہ باہم شیر و شکر تھے ایک دوسرے کی مخالفت کا کیا

سوال اُبھرا افہام وتفہیم اور تعلم وتعلیم سے ان اختلافات کو دُور یا شدّت کو کم سے کم کیا جاسکتا ہے ۔اس میدان میں کام کرنے والوں کےسامنے خدا ترسی کے ساتھ یہ اصول رہنا چاہیئے کہ اس قسم کے اختلافات کو بھی صرف اپنے حلقوں میں بیان کیا جائے گا۔ عوامی سطح پر ان کو بیان کرنے اور بحث و مناظرہ کے انداز سے پرہیز کیا جائے گا۔ عوامی سطح پر لوگوں کو حقیقی اور عملی طور پر مسلمان بننے کی دعوت دی جائے گی ۔ان کو فرائض دینی ادا کرنے کی ترغیب دی جائے گی ۔ان کے اذہان سے تشکیک و ریب کے کانٹے نکالے جائیں گے۔ ان کے قلوب میں ایمان کی شمع روشن اور محاسبہ اُخروی کا یقین پیدا کیا جائے گا مسلمان ہونے کی حیثیت سے جو ذمہ داریاں از روئے قرآن وسنت ان پر عائد ہوتی ہیں، ان کو واضح کیا جائے گا۔ وہ نکات اور مسائل بے شمار ہیں جن میں تمام مسالک اور مکاتیب فکر کے متعلقین میں مکمل اتفاق ہے" لہٰذا ان متفق علیہ نکات ومسائل کو اپنی سعی وجہد کا مرکز ومحور قرار دینا خدمت دین ہے ۔ جب حال یہ ہو کہ ہمارے مسلم معاشرے میں جمعہ کی نماز کی ادائیگی بھی ہماری آبادی کا بمشکل پانچ فیصد حصہ ادا کرتا ہو۔ وہاں دعوت واصلاح کے اصل موضوعات ، دعوتِ تجدید ایمان دعوتِ توبۃ النصوح اور دعوتِ تجدید عہد ومیثاق ہونے چاہئیں نہ کہ فقہی اختلافات کی نشر واشاعت، ایمان اسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع آخر یہ موضوعات ہی تو ہمارے دین کی اساسات ہیں ۔عوامی سطح پر دعوت واصلاح کا نہج یہی ہونا چاہیئے ۔ اسی طرح امت میں یکجہتی اور اتحاد پیدا ہوگا ۔ہماری نوجوان نسل اور نئے تعلیم یافتہ لوگ ان فقہی اختلافات کے بحث ومناظرے سے اتنے بیزار ہوچکے ہیں کہ ان کی بیزاری نفس دین سے بیزاری بلکہ بغاوت کی سرحدوں تک پہنچ چکی ہے ۔ اس کا بھی علاج یہی ہے کہ ایک دوسرے پر چھینٹے اُڑانے سے بچا جائے اور دعوت واصلاح کا مرکز ومحور کتاب وسنت کو بنایا جائے ۔اس کی اساس یہ ہو کہ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ ان شاء اللہ اسی طرزِ عمل سے تعاون اور اشتراک اور باہمی رواداری کی فضا پیدا ہوتی چلی جائے گی ۔

حالات کی سنگینی اس امر کی متقاضی ہے کہ ہمارے سیاسی اور دینی رہنما وزعماء مل جُل کر بیٹھیں اور آنے والے خطرات کا تدارک اور مداوا کرنے کی عملی تدابیر اختیار کریں۔

آپ حضرات میں سے جو لوگ بھی اثر انداز ہوسکتے ہوں وہ ان حضرات پر اپنا اثر استعمال کریں۔ اس میں اپیل یہ ہو کہ دیکھئے بنیوں کا بھی دستور ہے کہ "ساری جاتی دیکھیئے تو آدھی دیجئے بانٹ"، اگر یہ خطرہ نظر آتا ہے کہ یہ ملک ہاتھ سے چلا جائے گا اور یہاں اسلام کا مستقبل بالکل تاریک ہوجائے گا۔ تو خدارا اس خطرے سے بچنے کی عملی تدابیر اختیار کیجئے۔ آپ حضرات نے اخبارات میں حال ہی میں پڑھا ہوگا کہ ہمارے پڑوسی ملک افغانستان سے مختلف طبقات کے لوگوں کو روس لے جایا جا رہا ہے جہاں سے وہ ٹریننگ لے کر آ رہے ہیں۔ معاشیات جاننے والے وہاں سے اشتراکی معاشیات کی تربیت حاصل کر کے آ رہے ہیں۔ مدرسوں اور کالجوں کے اساتذہ کی کھیپ روس سے وہ تکنیک اور طریقے (Technique and Method) سیکھ کر آ رہی ہے جس سے پوری نئی نسل کی ایسی Brain Washing ہوگی کہ ان کا اسلام سے تعلق قائم رہنا تو در کنار وہ اس سے بالکل باغی ہوجائیں گے۔ ترکستان میں یہ سب کچھ ہو چکا ہے۔ آج تقریباً دو کروڑ کی مسلمان قوم، بڑی جوشیلی اور گرم خون رکھنے والی قوم، بڑی حریت پسند قوم، جس نے کبھی کسی دوسری قوم کی غلامی قبول نہیں کی۔ اسلام سے قلبی تعلق اور محبت رکھنے والی قوم روسی سامراج کے خونی شکنجے میں بری طرح جکڑی ہوئی ہے۔ اس کا مسلسل خون بہہ رہا ہے اور ہماری آنکھوں کے سامنے پوری قوم کی قلبِ ماہیت کی کوشش ہو رہی ہے اور یہ بات جان لیجئے کہ نظام تعلیم میں جدید نفسیات کو جس قدر کامیابی سے روس نے استعمال کیا ہے کسی نے نہیں کیا۔ نفسیاتی طور پر تعلیم کے ذریعے اذہان کو ایک خاص رُخ پر موڑنے اور یکسر بدلنے کے جو ہتھکنڈے روس کے پاس ہیں۔ کسی کے پاس نہیں وہ مصیبت کسی بھی وقت ہم پر بھی نازل ہوسکتی ہے لہٰذا آپ حضرات میں سے جس کی بھی موجود جماعتوں کے ذمہ داروں تک رسائی ہے وہ ان کو اس بات کا قائل کرنے کی کوشش کریں کہ موجودہ حالات کے پیش نظر اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ ہمارے اختلافات میں اعتدال آئے، ہمارے اختلافات میں شدت کم سے کم تر ہو اور ہماری دفاعی قوت مضبوط سے مضبوط تر ہو۔ دفاعی قوت صرف فوج اور اسلحہ کا نام نہیں ہے بلکہ ملک میں مکمل ذہنی و فکری اور عملی ہم آہنگی بھی دفاعی قوت میں شامل ہوتی ہے لہٰذا ایسا اتحاد ضروری ہے کہ جس کے ذریعے قوم ایک بنیانِ مرصوص بن جائے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ تمام فقہی اختلافات کو پس پشت ڈال دیا جائے یا اِن کو ختم کر دیا جائے ۔ یہ ممکن نہیں ہے ۔ اس کا ایک طویل تاریخی پس منظر ہے ۔ ہر ایک کے پاس کتاب وسنت سے دلائل ہیں ۔ یہ فقہی مسائل انہی دونوں ماخذ سے مستنبط ہیں ۔ یہ اپنی جگہ قائم رہیں، اس میں کوئی ہرج نہیں ۔ لیکن ان کو صحیح مقام اور حدود میں رکھنا چاہیئے ۔ ان کی مخالفت اور تردید کے لئے مستقل مورچے بنا کر اپنی توانائیاں اسی کام میں لگانا دین کی خدمت نہیں ہے ۔ اس خدمت کا اصل ہدف ہے اسلام وایمان کی دعوت، تقویٰ دبرّ کی دعوت، فرائض کی ادائیگی کی دعوت، اعمال صالح کی دعوت، معروفات کے اختیار اور منکرات کو ترک کرنے کی دعوت ۔ الغرض پوری زندگی کو اللہ کی بندگی میں دینے کی دعوت اور تلقین ۔ یعنی یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً کی دعوت!

آج ہمارے معاشرہ اس کا شدید محتاج ہے کہ اُس کو جھنجوڑا جائے ۔ اس میں آخرت کا خوف پیدا کیا جائے اس میں توبہ کی ایک عمومی تحریک برپا کی جائے کہ اللہ کے بندو! باز آؤ معصیت اور نافرمانیوں سے باز آؤ حرام خوریوں سے، باز آؤ ہیرا پھیریوں سے، باز آؤ رشوت دینے اور رشوت خوری سے، باز آؤ ملاوٹ سے ذخیرہ اندوزی سے، باز آؤ سودی کاروبار سے، کم تولنے اور کم ناپنے سے، اپنی تمام بداعمالیوں اور بے عملیوں سے توبہ کرکے اپنے ایمان کی تجدید کرو ۔ اپنے ربّ کے ساتھ از سرِ نو عہد کرو کہ اے اللہ ہم تیرے مخلص بندے بن کر خود بھی انفرادی طور پر دین کے مطابق زندگی بسر کریں گے اور اس ملک کو بھی اجتماعی طور پر ایک مثالی اسلامی ریاست بنائیں گے ۔ آپ کو یاد ہوگا کہ چند سال قبل ملک گیر پیمانے پر، یہاں ایک " یوم میثاق" منایا گیا تھا ۔ لیکن حاصل کیا ہوا ؟ دن منانے آسان ہیں لیکن فی الواقع قلوب واذہان کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق اصلاح قبول کرنے پر راغب کرنا مشکل اور کٹھن کام ہے ۔ اس کے لئے تو ہمہ جہتی اور ہمہ وقتی مخلصانہ سعی ومحنت کی ضرورت ہے ۔ اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ ہمارے علماء اور وہ لوگ جو واقعی دین سے محبت کرتے اور معاشرے کی اصلاح کا ولولہ رکھتے ہیں، وہ کمر ہمت کسیں، اٹھیں اور توبہ کی منادی کریں کہ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا ط عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّکَفِّرَ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ

"اے ایمان والو! اللہ سے توبہ کرو۔ خالص توبہ، بعید نہیں کہ اس توبہ کی بدولت اللہ تم سے تمہاری برائیاں دور کر دے" اور ان کی پکار یہ ہو کہ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا "اے ایمان والو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو نارِ جہنم سے"۔ خدا کی نافرمانی سے بچو اور توبہ کرو۔ توبہ کا یہ عمل اگر عوام و خواص میں ایک ہمہ گیر اور اجتماعی سطح پر نہیں ہوتا تو جان لیجئے کہ اس دنیا میں بھی عذاب الٰہی سے سابقہ پیش آکر رہے گا اور آخرت میں بھی ــ اجتماعی توبہ سے عذابِ خداوندی ٹل جاتا ہے۔ قرآن کریم میں مذکور ہے کہ قوم یونس پر عذاب الٰہی کے آثار شروع ہو گئے تھے لیکن ان کی اجتماعی توبہ سے یہ ٹل گیا تھا۔ پس اجتماعی توبہ کی یہ برکت ہے۔ آج داخلی و خارجی طور پر ہم جن حالات سے دوچار ہیں یہ دراصل عذابِ الٰہی کے آثار ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ہم اس سے غافل ہیں اور اگر یہ تغافل اسی طرح جاری رہا تو عذاب الٰہی سے محفوظ رہنا ممکن نہیں۔ اس وقت ہم اجتماعی توبہ کے محتاج ہیں، یہی چیز ہم کو اللہ کی پکڑ سے بچا سکتی ہے۔ بقول جگر مرادآبادی ؎

چمن کے مالی اگر بنا لیں موافق اپنا شعار اب بھی ۔۔۔ چمن میں آسکتی ہے پلٹ کر چمن سے روٹھی بہار اب بھی

لیکن اس کے لئے ضروری ہوگا کہ جو لوگ اس میدان میں کام کر رہے ہیں، وہ فقہی و کلامی اختلافات کو ہوا دینے اور اچھالنے کے بجائے لوگوں میں ایمان، تقویٰ، اخلاق اور کردار کی اصلاح کی جو صحیح تعلیمات ہیں ان کی تبلیغ و تلقین پر اپنی توجہات اور توانائیاں مرتکز کریں۔ اس کام کی برکت سے عذاب الٰہی بھی ان شاء اللہ ٹل جائے گا اور اختلافات بھی کم ہوتے چلے جائیں گے۔ غور کیجئے کہ ان اختلافات کی نوعیت ہے کیا؟ کوئی رفع یدین کرتا ہے کوئی نہیں کرتا، کوئی آمین زور سے کہتا ہے کوئی آہستہ، کوئی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا قائل ہے کوئی نہیں۔ یہ جزوی اختلافات ہیں۔ ان سے کوئی بڑا فرق واقع نہیں ہوتا۔ دونوں مسالک کے لئے احادیث بھی موجود ہیں اور آثار صحابہؓ بھی۔ اب ان مسائل کی تائید یا تردید پر تمام توجہات مرکوز کرنا کونسی خدمتِ دین ہے! جبکہ حال یہ ہے کہ ہماری پچانوے فی صد آبادی سرے سے نماز کی ادائیگی سے غافل ہے۔ کرنے کا کام یہ ہے کہ نمازیوں کو نماز ادا کرنے کی ترغیب دی جائے۔ ان کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ کیا جائے۔ ان میں فرائض کی ادائیگی کا شوق

پیدا کیا جائے ان کی سیرت و کردار اور اخلاق و معاملات کی اصلاح کی کوشش کی جائے جو لوگ عبادات کے پابند ہیں ان کے سامنے اختلافی مسائل کا بیان مفید مطلب ہونے کے بجائے ان کے ذہنی خلجان اور الجھن کا باعث ہوتا ہے اور ان کی اکثریت اس سے اُکتاتی ہے ۔ ان کو بھی صحیح معنوں میں اللہ کے بندے بننے کی دعوت دینا ہی اصل خدمت دین ہوگی ۔ غور کیجئے کہ ہمارے عوام الناس اللہ کے نام لیوا، آخرت کے ماننے والے اور نبی اکرمؐ کے امتی ہیں ۔ مشرکانہ اور مبتدعانہ اوہام اور اسلام کی صحیح تعلیمات سے ناواقفیت کی وجہ سے عقیدہ توحید میں جو رخنہ آگیا ہے اور جو بگاڑ پیدا ہوگیا ہے ۔ اس کی اصلاح کی صورت دین کی صحیح تعلیمات کی نشر و اشاعت ہے ۔ آخر سب زبان سے توحید کے ماننے والے ہیں ۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ توحید کی مثبت دعوت و تبلیغ پر اپنی توجہات مرکوز کی جائیں چونکہ یہی حقیقی خدمتِ دین ہے اس کے برخلاف اختلافی مسائل ہی کو موضوع بنا کر انہی پر اپنی توجہات کو مرکوز رکھنا اور اس کو تبلیغ دین سمجھنا نہ دین کے ساتھ وفاداری ہے ۔ اور نہ عامۃ المسلمین کی نصح و خیر خواہی ۔

میں یہ نہیں کہتا کہ ملک کی تمام دینی جماعتیں بھی ایک جماعت میں مدغم ہو جائیں ۔ یہ ممکن العمل نہیں ہے ۔ یہ کام تو سیاسی میدان میں کیا جانا ضروری ہے ۔ اُس میدان میں یہ کام ناممکنات میں سے نہیں ہے اس کا انحصار مخلصانہ سعی و کوشش اور چند بڑی سیاسی شخصیتوں کے ایثار پر ہے ۔ میں آج کی اس تقریر کے بارے میں سوچ رہا تھا تو یہ بات بھی ذہن میں آئی تھی کہ یہ دینی جماعتیں علیحدہ علیحدہ ہیں لیکن کاش ان کا کوئی "اتحاد" عمل میں آسکے ۔ ۱۹۷۷ء میں انتخابات کے لئے "قومی اتحاد" بنا تھا کاش دعوت و اصلاح اور احیائے اسلام کے لئے کوئی "اسلامی اتحاد" وجود میں آجائے ۔ اگر اسلام اور پاکستان کی حقیقی خدمت کرنی ہے قطع نظر اس سے کہ سیاسی چودھراہٹ ملتی ہے یا نہیں ملتی تو کوئی رکاوٹ نہیں ہے کہ ایسا "اتحاد" قائم نہ ہو سکے ۔ یہ اتحاد ایک طرف دعوت و اصلاح کا کام کر سکتا ہے دوسری طرف حکومتِ وقت کے لئے خیر خواہانہ مشیر اور محتسب کا فرض انجام دے سکتا ہے ۔

سیاسی میدان سیادت و اقتدار کی جنگ کا میدان ہے ۔ یہ تحزب، تعصب اور حریفانہ طرزِ عمل کی راہ ہے ۔ یہ ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے اور نیچا دکھانے کا راستہ ہے ۔

اس راہ میں دلوں میں کدورتیں اور تلخیاں بڑھتی ہیں ۔اس راہ میں ووٹروں کی خوشنودی مطلوب ہوتی ہے اس لئے ان کے غلط افکار و اعمال اور معاملات پر مداہنت اختیار کرنا لازمی ہے اس راہ پر چلنے والے اپنی حریف جماعتوں کے خلاف نفرت پیدا کرنے کا موجب ہوتے ہیں جبکہ دعوت و اصلاح خیر خواہی اور نصح کی راہ ہے ۔ دلوں کو جیتنے اور باہمی الفت و مؤدت اور اخوت پیدا کرنے کی راہ ہے ۔

میں اپنی اس درد مندانہ معروضات کو ختم کرنے سے قبل چاہوں گا کہ میں نے آج کی اس گفتگو کے آغاز میں سورہ آل عمران جن آیات کی تلاوت کی تھی ان آیات سے دعوت و اصلاح کے کام کے لئے ہمیں جو رہنمائی ملتی ہے اس کا ایک لائحہ عمل آپ کے سامنے آجائے تاکہ آپکو اسے اپنے حلقہ ہائے اثر تک پہنچانے میں مدد مل سکے ۔ ان آیات میں سب سے پہلے تقویٰ اختیار کرنے دعوت دی گئی ہے فرمایا: یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ "اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیساکہ اس کا تقویٰ اختیار کرنے کا حق ہے"۔ ہمارے دین کی اصطلاحات میں "تقویٰ" بہت جامع ترین اصطلاح ہے۔ اتنا وقت نہیں ہے کہ میں اس کی شرح کر سکوں ۔ اجمالاً یہ سمجھ لیجئے کہ تقویٰ اس طرزِ عمل کا نام ہے کہ ایک بندہ مومن اللہ کے غضب اور سزا کے خوف اور اس کے انعام، نگاہِ کرم اور نظر ترحم کے شوق سے نافرمانی و معصیت کے ہر عمل سے بچتا ہوا دین کے تقاضوں اور مطالبوں کو ادا کرنے کی فکر کرے ۔ آیت کا اگلا حصہ اسی تقویٰ کی زندگی کی شرح ہے کہ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ "تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم اللہ کے فرمانبردار ہو"۔ یعنی زندگی کا کوئی لمحہ بھی شعوری طور پر اللہ کے حکم کی خلاف ورزی میں نہ گزرے ۔ لہٰذا دعوت و اصلاح کا پہلا نکتہ تو ہوگا اسی تقویٰ کی دعوت، تطہیر افکار و اعمال کی دعوت، اخلاق کی درستگی اور تمام منکرات سے اجتناب کی دعوت ۔ مسلمان کی حیثیت سے جینے اور مرنے کی دعوت ۔ دعوت و اصلاح کا دوسرا نکتہ ہوگا وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا "اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھاموا اور تفرقے میں نہ پڑو"۔ اللہ کی رسی سے مراد "قرآن مجید" ہے اس میں کسی نوع کا اختلاف نہیں ہے ۔ یہ کتاب الٰہی ملّی اسلامی اتحاد کی اوّلین اور مضبوط ترین بنیاد ہے۔ یہی اَلْعُرْوَةُ الْوُثْقٰی ہے ۔ اسی کا وصف لَا انْفِصَامَ لَهَا ہے اسی کو مضبوطی

سے تھامنے اور تفرقے سے بچنے کا آیت کے اس حصّے میں حکم دیا گیا ہے۔ تفرقہ اتحاد اور وحدتِ اُمّت کو پارہ پارہ کرنے والا عمل ہے۔ اختلاف اور تفرقے میں بڑا فرق ہے جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں۔ اختلافات دین کے دائرے میں رہیں، کوئی مضائقہ نہیں، لیکن رائے اور تعبیر کے اختلاف کی بنیاد پر باقاعدہ علیحدہ علیحدہ فرقے بنا لینا دینی نقطۂ نظر سے بالکل غلط ہے۔ اس سے منع فرمایا گیا ہے۔ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ "اور آپس میں جھگڑو نہیں اس سے تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی"۔ یہ حکم صحابہ کرامؓ کو دیا گیا تھا جبکہ ان کے درمیان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس موجود تھے اور ان کو متنبّہ کیا گیا تھا کہ حضورؐ کے وجودِ مسعود کے باوجود تنازعات تم کو کمزور کرنے اور تمہاری ہوا خیزی کا باعث ہوں گے یہ سنت الٰہی ہے۔ یہ ہدایت دائمی ہے۔ اب آپ خود ہی سوچ لیجئے کہ تنازعات اور تفرقہ بازی اُمّت کے لئے کتنی ہلاکت آفریں ہو سکتی ہے اور فی الواقع ہو رہی ہے۔ اس تفرقہ بازی کا علاج بھی خود اللہ تعالیٰ نے اعتصام بالقرآن بتا دیا ہے۔ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اس نعمت اور احسان کا ذکر کیا ہے کہ قرآن مجید اور ایمان و اسلام نے اُن قبیلوں کو باہمی شیر و شکر اور بھائی بھائی بنا دیا جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اور اس طرح تباہی کی آگ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے اس تباہی سے ان کو بچا لیا۔ فرمایا: وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا ۗ قرآن حکیم کا اعجاز یہی ہے کہ اس کے وقتی احکام میں ابدالآباد تک کے لئے ہدایات موجود ہوتی ہیں۔ چنانچہ غور کیجئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ مبارکہ ہمارے ہی لئے نازل کئے گئے ہیں۔ ہمارے حالات کی اصلاح کے لئے ان آیات کا نزول ہوا ہے اور ان میں ہمارے لئے پوری رہنمائی موجود ہے۔ ہم تفرقے اور انتشار کے تباہ کن اور ہلاکت خیز گڑھے کے کنارے فی الواقع کھڑے ہیں، ہم تباہی اور بربادی سے بچائے جا سکتے ہیں اور ہم پر اللہ کی اس نعمت کا ظہور ہو سکتا ہے کہ ہمارے دلوں میں ایک دوسرے سے الفت، مودّت اور اخوّت پیدا ہو جائے۔ لیکن اس کی شرط ہم کو پوری کرنی ہوگی اور وہ یہ کہ ہم تقویٰ، اسلام اور

اعتصام بالقرآن کو اپنا لائحہ عمل اور مقصود و مطلوب بنالیں۔ آخرت میں اللہ کی رضا کا حصول ہمارا نصب العین بن جائے ہم تفرقے سے بچیں اور متقی مسلمان کی طرح زندگی بسر کرنے کی پوری کوشش کریں۔ آگے فرمایا: كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ٥ "اس طرح اللہ تمہارے سامنے اپنی نشانیاں واضح کرتا ہے شاید کہ ان نشانیوں سے تمہیں اپنی فلاح کا راستہ سیدھا نظر آجائے"۔ ان آیاتِ مبارکہ اور ہدایاتِ الٰہی کی روشنی میں بھی یہ بات بڑی واضح ہو کر ہمارے سامنے آتی ہے کہ انتہائی ضروری ہے کہ تجدید ایمان، توبہ۔ تجدید عہد اور اصلاح اعمال کی دعوت اس ملک میں وسیع پیمانے پر اُٹھے جس کے کارکن خود بھی جاگیں اور لوگوں کو بھی جگائیں کہ اللہ کے بندو! ہوش میں آؤ، کہاں جا رہے ہو! تم مدہوش ہو، تم کو اپنے چھوٹے چھوٹے مفادات کی فکر ہے، فروعی اور جزوی مسائل کے خلاف تم ایک دوسرے سے دست بگریباں ہو جب کہ حال یہ ہے کہ وہ پورا جہاز ڈوبنے کو ہے جس میں تم سب سوار ہو۔ تم آپس کے جھگڑوں میں لگے ہوئے ہو کہ کون نیچی منزل میں ہے کون اونچی منزل میں — تم کو اس جہاز کی سلامتی کی فکر ہی نہیں ہے جو ڈوبنے والا ہے۔ اس آنے والی تباہی کو سمجھو تو شاید آنکھیں کھل جائیں۔ کچھ لوگ بیدار ہو جائیں اور اپنی اصلاح پر آمادہ ہو جائیں۔ لیکن اس کے لئے محنت اور اور قوت صرف کرنی ضروری ہے — اگلی آیت میں ایسی جماعت کی ضرورت بیان کر کے اس کے مقاصد کی طرف واضح رہنمائی اور ہدایت دی گئی ہے، فرمایا: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ٥ "تم میں سے ایک جماعت تو ایسی ضرور ہونی چاہیئے جو لوگوں کو نیکی اور خیر کی طرف بُلانے والی ہو، جو بھلائی کا حکم دے اور بُرائیوں سے روکے — جو لوگ اجتماعی طور پر دعوت کا یہ کام کریں گے، وہی فلاح پائیں گے"۔ اس آیتِ مبارکہ میں حکم دیا گیا ہے کہ مسلمانوں میں ایک جماعت تو ایسی ہونی ضروری ہے جس کی تاسیس کسی فقہی مسلک کے اختلاف پر نہ ہو بلکہ جس کا مقصدِ وجود دعوت الی الخیر ہو۔ جس کی بنیاد قیام انتخابی سیاست نہ ہو اور جس کو نہ اقتدار مطلوب ہو نہ حکومت اس جماعت کو اس دنیا میں کسی بدلے اور اجر کی خواہش نہ ہو۔ اس کی کوئی دنیوی غرض اس کے کام میں شامل نہ ہو، نہ سیادت نہ قیادت، نہ لیڈری نہ وزارت نہ سفارت۔ دنیا کا کوئی مفاد

اور کوئی منصب اور کوئی غرض اس دعوتی کام سے وابستہ نہ ہو۔ الغرض اس جماعت کا مقصدِ وجود و حیات اس ہدایتِ ربانی کے مطابق دعوتِ الی الخیر، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے سوا اور کچھ نہ ہو۔ اس جماعت کے وابستگان بس یہی تین کام کریں ان کے سوا کسی چوتھے کام کے خیال کو اپنے ذہن میں گزرنے بھی نہ دیں۔ وہ علی روس الاشہاد اعلان کر دیں کہ ہمیں انتخابی سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ ہمیں اس طرف جانا ہی نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک تو یہ پھندے ہیں بقول علامہ اقبالؒ ؎

الیکشن، ممبری، کرسی، صدارت　　　بنائے خوب آزادی نے پھندے

جو لوگ انتخابی سیاست کے چکر اور پھندے سے اپنا دامن بچا کر ہمہ تن اور پوری یک سوئی کے ساتھ دعوت الی الخیر اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے سہ نکاتی قرآنی منشور میں مصروف ہو جائیں گے ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ نوید جانفزا ہے کہ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ٥ "یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"۔

اس بات کو بھی اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جب کسی امت میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے تو بگڑے ہوئے معاشرے میں تین طرح کے طبقات ہو جایا کرتے ہیں۔ ایک طبقہ وہ ہوتا ہے جو بگاڑ میں بہت آگے نکل جاتا ہے۔ دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہوتا ہے جو بگاڑ سے خود تو بچے ہوئے ہوتے ہیں لیکن دوسروں کو روکتے نہیں ان کو نصیحت کرنے میں تغافل شعاری اختیار کرتے ہیں۔ تیسرا طبقہ وہ ہوتا ہے جو خود بھی بگاڑ سے مجتنب رہتا ہے اور لوگوں کو روکنے کے لئے وعظ و نصیحت کرتا ہے اور اصلاحِ احوال کی سعی و کوشش میں لگا رہتا ہے تو اللہ کی سنت یہ ہے کہ یہ تیسرا طبقہ عذابِ الٰہی سے بچا لیا جاتا ہے اور اگر دنیا میں وہ کہیں اس کی لپیٹ میں آ بھی جائے تو آخرت میں وہ فلاح و فوز سے سرفراز کیا جاتا ہے اور آخرت کی کامیابی اس کے قدم چومتی ہے۔

پس ہم آج جس صورتِ حال سے دوچار ہیں اور جو آنے والے واقعات کا واضح طور پر پیشگی پتہ دے رہی ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ سیاسی میدان میں دائیں بازو یعنی اسلام پسند اور اسلام دوست سیاسی حضرات کی ایک واحد سیاسی جماعت ہو۔ اور جو لوگ یا جماعتیں اپنا مقصود و مطلوب دعوت و تبلیغ اور اصلاح معاشرہ کو بنانا چاہیں وہ انتخابی سیاست سے کنارا کش ہو کر دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی

عن المنکر کے فریضے کی ادائیگی میں لگ جائیں ۔ تفرقے سے اپنا دامن بچائیں ۔ فقہی مسالک کے اختلافات میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کریں ۔ ان مسائل کے حق میں یا تردید میں اپنی توانائیاں، اپنی صلاحیتیں اور اپنی محنتیں لگانے کے بجائے دعوت الی الخیر میں لگائیں اور فروعی مسائل کے اختلافات کو اپنی حدود میں رکھیں ۔ ورنہ اس بات کا خطرہ سر پر منڈلا رہا ہے کہ آنے والے دور میں اختلافات پر بحث و نظر تو ایک طرف اس ملک میں جو اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا، اسلام کا نام لینا ہی ناممکن بنا دیا جائے گا ۔ آخر بخارا، بلخ، سمرقند اور تاشقند میں جو کبھی دینی علوم اور اسلامی تہذیب کے گہوارے تھے، یہ صورتِ حال رونما ہو چکی ہے ۔ آج ہمارا پڑوسی مسلم ملک افغانستان اس ابتلا میں گرفتار ہے ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اپنی شامتِ اعمال کی وجہ سے یہ دن ہم کو دیکھنا پڑ جائے ۔ یہ دن آیا تو نہ یہ چھوٹے چھوٹے اور فروعی اختلافات ہمارے کام آسکیں گے اور نہ ہی ہمارے حقیر سے ذاتی مفادات، ہماری یہ بلڈنگیں، یہ کاروبار یہ کارخانے ہمیں محفوظ رکھنے میں مددگار ثابت ہوں گے ۔ یہ سب دھرے کے دھرے رہ جائیں گے ۔ ؎

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا

وہ وقت سامنے نظر آرہا ہے ۔ دین و ملک کی بھلائی اور خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ کچھ لوگ اس عزم سے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوں کہ ہمارا مرنا جینا اور ہماری محنت و کوشش صرف دعوت و تبلیغ اور اصلاح معاشرہ کی جدّوجہد کے لئے وقف ہوگی ۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو مجھے جاننے والے جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے وہ اب جان لیں کہ میں خود عرصہ پندرہ سولہ سال سے اسی کام میں لگا ہوں ۔ اسی دعوت الی اللہ اور دعوتِ رجوع الی القرآن کے تقاضے کی ادائیگی کی خاطر یہاں تقریر اور خطبہ جمعہ کے لئے حاضر ہوتا ہوں ۔ ورنہ میرا یہ کوئی پیشہ نہیں ۔ درس قرآن کا سلسلہ بھی اسی دعوت کے لئے جاری کیا ہے ۔ تجدید ایمان ہو، اصلاح اعمال ہو، دعوتِ توبہ اور تجدید عہد ہو وہ موثر ہوگی تو اسی قرآن مجید سے ہوگی ۔ یہی سرچشمہ و منبع ہدایت ہے ۔ اسلامی اتحاد قائم ہوگا تو اسی کی بنیاد پر ہو سکے گا چونکہ قرآن ہی حبل اللہ ہے اسی کام کے لئے میں نے ۱۹۷۲ء میں انجمن خدام القرآن قائم کی تھی تاکہ اس کے ذریعے علوم و حکمت قرآن کی وسیع پیمانے پر نشر و اشاعت ہو سکے ۔ اسی کے لئے میں نے ۱۹۷۵ء میں تنظیم اسلامی قائم کی ہے، جس

کے مقاصدِ اولیٰ دعوت تجدیدِ ایمان - توبہ اور تجدیدِ عہد ہیں - جس کے نظام العمل میں طے کردیا گیا ہے کہ الیکشن میں تنظیم کبھی حصّہ نہیں لے گی نہ اس کی رفقاء اس میدان میں کوئی کام کریں گے - دعوت و اصلاح کا کام بڑا عظیم کام ہے - اس میدان میں کام کرنے کے لئے ہزاروں نہیں لاکھوں افراد چاہئیں جو اسی میں کھپ جائیں، جن کا لائحہ عمل یہ ہو کہ یَدعون الی الخیر و یأمرون بالمعروف و ینھون عن المنکر - یہ بنیادی کام دراصل انہی لوگوں اور جماعتوں کے لئے مفید ترین اور انتہائی مؤثر ہوگا۔ جو سیاست کے میدان میں اسلام کا کام کر رہے ہوں گے - اسی نہج سے کامیابی کی توقعات وابستہ کی جاسکتی ہیں، ورنہ جس طرح اب تک کی تمام کوششیں لاحاصل رہی ہیں، اسی طرح آئندہ کی محنتیں اور کوششیں نسیًا منسیًا ہو جائیں گی - جن حضرات کے دلوں کو میری بات نے اپیل کیا ہو، اب انکی دینی ذمہ داری ہے کہ وہ اس بات کو آگے پہنچائیں - سیاسی زعماء کے پاس جائیں ان کو ایک سیاسی جماعت بنانے کی ضرورت کا قائل کریں۔ علماء اور ان حضرات کی خدمت میں حاضری دیں جو دین کے کام کو عزیز تر سمجھتے ہیں اور ان سے دردمندانہ اپیل کریں کہ وہ انتخابی سیاست سے کنارا کش ہو کر اپنی تمام توجہات اور مساعی کا ہدف دعوت و تبلیغ اور اصلاح معاشرہ کو بنائیں - وَمَا علینا الاّ البلاغ -

بَارَكَ اللهُ لِي وَلَكُمْ فِي الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ وَنَفَعَنِيْ وَإِيَّاكُمْ بِالْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ إِنَّهٗ تَعَالٰى جَوَادٌ كَرِيْمٌ مَلِكٌ بَرٌّ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ط -

اطلاعِ عام

عبدالرحمٰن کلرک مرکزی انجمن خدّام القرآن - لاہور، کے خلاف "چارج شیٹ" ہو چکا ہے اور ماہ مارچ ۲۳ - تاریخ سے ہی وہ بلا اجازت اور خلافِ ضابطہ دفتر سے غیر حاضر ہے - اور اُس کے خلاف "محکمانہ تحقیقات" زیرِ تحقیق ہیں - اس لئے تمام حضرات مطلع رہیں کہ وہ اب انجمن کا ملازم نہیں رہا - لہٰذا انجمن یا اُس کے ذیلی اداروں کے لئے اُس سے کوئی لین دین نہ کیا جائے -

ناظمِ اعلیٰ :- مرکزی انجمن خدّام القرآن - لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شمالی امریکہ کے حالیہ دعوتی دورے کے تاثرات و مشاہدات

از : ڈاکٹر اسرار احمد

اسباب و علل کی اس دُنیا میں سُنّت الٰہی یہ کارفرما نظر آتی ہے کہ جو کام بھی خلوص و اخلاص اور سعی و محنت سے کیا جاتا ہے وہ بار آور ہوتا ہے چنانچہ الحمدللہ والمنّہ دعوتِ رجوع الی القرآن اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک کا تعارف اور اثر و رسُوخ جہاں پاکستان میں وسیع تر ہو رہا ہے وہاں بفضلہ تعالیٰ دعوت و تحریک بیرون ممالک میں بھی متعارف ہو رہی ہے اور اس کے متعارفین متأثرین و مؤیدین کا ایک منظم و فعال حلقہ امریکہ اور کینیڈا کے دو تین نمایاں شہروں میں مستقل طور پر قائم ہو گیا ہے۔ ان مقامات پر تعارف کا ایک ذریعہ تو مرکزی انجمن کی مطبوعات ہیں جو بیشتر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے پمفلٹوں پر مشتمل ہیں لیکن دوسرا مؤثر ذریعہ موصوف کے دُرُوس قرآن حکیم اور مختلف خطابات کے ٹیپ اور کیسٹ ہیں جو ایسے حضرات کی وساطت سے وہاں پہنچے جو حصول تعلیم، کاروبار اور ملازمت کے لئے یا مستقل طور پر نقل وطن کر کے وہاں مقیم ہیں۔ چنانچہ اِن ہی مخلصین کی دعوت پر ڈاکٹر صاحب پہلی مرتبہ دعوتی دورے پر جولائی ۱۹۷۷ء میں اور دوسری مرتبہ ۲۲ر اگست ۱۹۸۰ء کو امریکہ اور کینیڈا تشریف لے گئے۔ دوسرے دورے سے ۱۶ر اکتوبر ۱۹۸۰ء کو موصوف کی مراجعت ہوئی اور ۲۴ر اکتوبر ۱۹۸۰ء کے جمعہ کو مسجد شہداء میں ڈاکٹر صاحب نے "پندرھویں صدی ہجری کے آغاز" کے موضوع پر تقریر کے ساتھ ساتھ اس حالیہ دعوتی دورے کے تاثرات و مشاہدات بھی بیان کئے۔ اس خطاب کا پہلا حصہ 'میثاق' کے جنوری / فروری ۸۱ء کے مشترکہ شمارے میں شائع ہو چکا ہے۔ اب دوسرا حصہ قارئین میثاق کی

—— "پندرھویں صدی کے آغاز" کے موضوع پر تقریر کے بعد ڈاکٹر صاحب موصوف نے فرمایا:-"

اب میں چند باتیں امریکہ اور کینیڈا کے حالیہ دعوتی دَورے کے متعلق عرض کرنا چاہوں گا جہاں سے میں اس مرتبہ تقریباً چون دن بسر کرکے ۱۶/ اکتوبر کو واپس آیا ہوں۔ میں براعظم شمالی امریکہ کے سفر پر پہلی مرتبہ گذشتہ سال جولائی ۷۹ء میں گیا تھا۔ واپسی پر میں نے اس سفر کی مختصر روداد لکھی تھی جس کی پہلی قسط غالباً جنوری ۸۰ء کے میثاق میں شائع ہوئی تھی دوسری قسط لکھنے کی عدیم الفرصتی کے باعث نوبت ہی نہیں آئی کہ اگست میں دوسرا دورہ شروع ہو گیا۔ میں نے پچھلے دورے کی روداد سفر کی پہلی قسط میں ذکر کیا تھا کہ سیر و سفر کا ذوق و شوق میری گھٹی میں پڑا ہوا ہے اور اللہ کا فضل ہے کہ مجھے اس کے بے شمار مواقع ملتے رہے ہیں چنانچہ میں بلا تکلف عرض کرتا ہوں کہ پہلے دورے کے موقع پر میرے ذہن پر امریکہ (جو نئی دنیا کہلاتا ہے) کی تہذیب تمدن کے قریبی مشاہدے و مطالعے کا ذوق و شوق دعوتی کام پر غالب تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ سفر صحیح معلومات کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں عبر و بصائر کے حصول کیلئے سیروا فی الارض فرمایا گیا ہے۔ میں نے گذشتہ جمعہ کو مسجد دارالسلام میں اپنی تقریر میں عرض کیا تھا کہ عربی زبان میں "س۔ ف۔ ر" کا سہ حرفی مادہ بڑا عجیب ہے۔ اسی سے سَفَرَ بنتا ہے۔ جس کے معنی امام راغب نے "کشف الغطاء" بیان کئے ہیں۔ یعنی پردے ہٹیں اور اصل حقائق منکشف ہوں۔ زمین میں گھومنے پھرنے کو سفر اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے ذریعے مشاہدات کا موقع ملتا ہے۔ معلومات کا دائرہ وسیع ہوتا ہے، بسا اوقات نئے حقائق کا انکشاف ہوتا ہے اور عبر و بصائر حاصل ہوتے ہیں۔ پھر اسی مادے سے سِفر بنتا ہے۔ جس کے معنی کتاب" ہوتے ہیں اس کی جمع اَسْفَار آتی ہے۔ جیسے سورہ جمعہ میں آیا "مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ

ل جن لوگوں کو حامل تورات بنایا گیا تھا۔ مگر انہوں نے اس کا بار نہ اٹھایا، ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدی ہوں۔

اَسۡفَارٌ یا کتاب بھی چونکہ لاعلمی کے پردوں کو چاک کرکے معلومات کے دائرے کو وسیع کرنے کا سبب بنتی ہے لہذا سفر کہلاتی ہے۔ صبح کے روشن ہونے کے لئے بھی اسی مادّے سے فعل اَسۡفَرَ آتا ہے۔ جیسے سورہ المدثر میں فرمایا " وَالصُّبۡحِ إِذَا أَسۡفَرَ " چونکہ صبح اندھیرے کے پردے کو چاک کرتی اور ماحول کو روشن کرتی ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ امریکہ کے گذشتہ اور موجودہ سال کے دوروں میں مجھے بہت سی نئی معلومات حاصل ہوئیں۔ عربی کی ایک پرانی کہاوت ہے کہ لَیۡسَ الۡخَبَرُ کَالۡمُعَایَنَہ فارسی میں محاورہ ہے "شنیدہ کے بود مانندِ دیدہ" تو واقعہ یہ ہے کہ دُور بیٹھ کر محض "سمع" کی بنیاد پر امریکہ کے بارے میں ذہن میں جو تصورات قائم تھے ان میں سے بعض میں دونوں دوروں کے نتیجے میں تبدیلی آئی ہے۔

امریکہ کی خوشحالی

میں پہلے دورے کے بعد کسی موقع پر اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے یہ عرض کرچکا ہوں کہ امریکہ جانے سے قبل امریکہ کی خوش حالی کا جو کتابی علم حاصل تھا امریکہ کو میں نے اُس سے دس گنا سے بھی زیادہ خوش حال پایا۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے خزانے کی بے شمار دنیوی نعمتوں سے اس خطۂ زمین کو نوازا ہے۔ دنیوی لحاظ سے کسی ایسی نعمت کا تصوّر نہیں کیا جاسکتا جس سے یہ سرزمین مالا مال نہ ہو۔ یہاں بلند و بالا اور برف پوش پہاڑ بھی ہیں اور صحرا و ریگستان بھی۔ یہاں بڑے بڑے دریا بھی ہیں اور متعدد بڑی اور چھوٹی جھیلیں بھی اور آبشار بھی۔ یہاں وسیع ترین مسطح میدانوں کا سلسلہ بھی موجود ہے جن میں اکثر و بیشتر انتہائی شاداب اور زرخیز ہیں۔ جہاں ہر قسم کی اجناس و فواکہات کی کثیر پیداوار ہوتی ہے جس میں سائنٹفک طریقوں سے اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ اجناس کی اتنی بہتات ہوتی ہے کہ نہ صرف اپنے ملک کی ضرورت کے لئے کفایت کرتی ہے بلکہ بہت سے دوسرے ملکوں کو قیمتاً یا بطور امداد دینے کے بعد بھی لاکھوں ٹن غلّہ بچ رہتا ہے جو مختلف طریقوں سے ہر سال ضائع کر دیا جاتا ہے۔ یہاں معدنیات کی بھی کثرت ہے۔ لوہا، سونا، چاندی، تانبا اور دوسری اقسام کی دھاتوں کے بڑے بڑے ذخائر موجود ہیں۔ ساتھ ہی کوئلہ، تیل اور دوسرے کیمیکلز کے بھی وافر ذخائر موجود ہیں یہاں مویشیوں کی انتہائی بہتات

ہیے اور ان کی افزائش کے سائنٹفک طریقے رائج ہیں ۔ غرض کہ ہر چیز کی بہتات ہے اور دولت وخوش حالی کی ریل پیل ہے ۔ وہاں تقریباً ہر گھر میں ہر فرد کے لئے نہ صرف کار موجود ہے بلکہ صورتِ حال ایسی نظر آتی ہے کہ اگر کسی گھر میں چار افراد ہیں تو پانچ کاریں موجود ہیں ۔ فلک بوس، عمارتوں کا صحیح اور کامل اطلاق میرے نزدیک امریکہ کی عمارتوں پر ہی ہوسکتا ہے ۔ صنعت تجارت، ٹیکنالوجی اور آٹمی انرجی کے لحاظ سے بھی دنیا کا کوئی دوسرا ملک شاید ہی امریکہ سے ٹکر لے سکے ۔

اخلاقی حالت | دولت کی بے نہایت اور بے تحاشہ فروانی کی وجہ سے جو اخلاقی مفاسد کسی معاشرے میں پیدا ہوتے ہیں، امریکہ بھی ان کی لپیٹ میں آیا ہوا ہے اور وہاں کی عظیم ترین اکثریت مذہبی و رُوحانی اخلاقیات کے اعتبار سے تہی دست اور دیوالیہ نظر آتی ہے ۔ حیاسوز مناظر وہاں کے معمولات میں شامل ہیں، عریانی عام ہے ۔ عصمت و عفت اور پاکدامنی وہاں سرے سے کوئی قدر ہی نہیں ہے ۔ بایں ہمہ اس معاشرے میں تہذیب جدید کی ہوسناکی اور رُوحانی اقدار کی محرومی کے باوصف بہت سے انسانی اخلاقیات مشرقی ممالک کے مقابلے میں کہیں زیادہ پائیدار ہیں ۔ وہاں انفرادی زندگی میں دنیوی جدوجہد کی لگن، مستعدی اور فرض شناسی اور ۔ اجتماعی زندگی میں شائستگی اور سلیقہ مندی موجود ہے ۔ تحقیق وجستجو اور ایجاد واختراع کا انہماک نہ صرف موجود ہے بلکہ عروج پر ہے اپنے ملک کے اجتماعی مفادات، ملکی سلامتی و استحکام سے گہری دلچسپی اور وابستگی موجود ہے ۔ تمدنی شعور واحساس (CIVIC SENCE) بھی موجود ہے اور قانون کا احترام بھی ۔ پھر میرا تاثر یہ ہے کہ امریکی انگریزوں کی طرح احساس برتری کے شکار نہیں ہیں ۔ وہ دوسروں سے الگ تھلگ رہنے کے عادی نہیں بلکہ بہت جلد بے تکلف ہوجاتے ہیں ۔ ان کے رویے میں بے اعتنائی نہیں ہوتی ۔ البتہ وہ امریکہ کے نیگروز کے معاملے میں ضرورت سے زیادہ سخت ہیں ۔ اس کے بھی بہت سے اسباب ہیں۔ جن کا تجزیہ اس مختصر وقت میں ممکن نہیں ۔

مذہبی حالت | اسی طرح امریکہ جانے سے قبل میرا تصور یہ تھا کہ امریکی معاشرہ یورپ اور برطانیہ کے مقابلے میں مذہب سے کہیں زیادہ لاتعلق اور دُور ہوگا ۔ لیکن مشاہدے نے اس تصور کو غلط ثابت کردیا ۔ میں نے لندن میں دیکھا تھا کہ اتوار کو جو عیسائیوں کے

مذہب میں متبرک اور عبادت کا دن سمجھا جاتا ہے اور اس روز صبح کو وعظ و دعا کے لئے گرجاؤں میں جانا عیسائیت کا اہم ترین شعار ہے لیکن اُس دن لندن میں بڑے نامی گرامی گرجا بھی خالی ہوتے ہیں ۔ باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا کہ لندن میں ہر بڑے گرجے کی یہی کیفیت ہے کہ دس پندرہ افراد سے زیادہ حاضری نہیں ہوتی ۔ چھوٹے گرجوں کے حال کا اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ لندن میں ہر سال گرجاؤں کی کچھ نہ کچھ عمارتیں فروخت ہوتی رہتی ہیں ۔ بعض گرجے تو مختلف مسلم اداروں نے خرید کر انہیں اپنا مرکز بنا لیا ہے اور بعض تجارتی مقاصد کی عمارتوں میں منتقل ہو گئے ہیں ۔ علاوہ ازیں عیسائیوں کے مذہبی تہوار کرسمس یعنی ۲۵ دسمبر کو بھی لندن کے گرجوں کا تقریباً یہی حال ہوتا ہے حالانکہ عیسائی دنیا میں کرسمس کا مقام و حیثیت سب کو معلوم ہے ۱۹۷۷ء میں وہاں کے سب سے بڑے گرجا میں مجھے میرے بھائی لے گئے تو وہاں ستر اسّی سے زیادہ لوگ نہیں تھے ۔ امریکہ میں میری معلومات کی حد تک معاملہ اس کے برعکس ہے ۔ وہاں مذہب کی طرف اچھا خاصا رجحان پایا جاتا ہے ۔ اخلاق باختگی کے باوجود وہاں کے گرجا یورپ اور برطانیہ کے مقابلے میں بہت زیادہ آباد نظر آتے ہیں ۔ امریکہ میں ٹی وی کے ذریعے ان کے اپنے مذہب کے مطابق نہایت اعلیٰ اور معیاری پروگرام پیش ہوتے رہتے ہیں ۔ یوں سمجھئے کہ ان کے ہاں اپنے مذہب کی تعلیم کا ایک موثر نظام موجود ہے ۔ وہاں عیسائیت کی دعوت، تبلیغ اور تعلیم کے لئے بڑے زورِ بیان رکھنے والے واعظ اور خطیب موجود ہیں جو انتہائی موثر طرزِ خطابت کی وجہ سے کافی مقبول اور مشہور و معروف ہیں ۔ مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ ان واعظین کے مواعظ و خطابات کا بڑے وسیع عریض ہالوں (HALLS) میں انتظام کیا جاتا ہے ۔ جن میں داخلے کے لئے معقول رقم کے ٹکٹ رکھے جاتے ہیں اور لوگ جوق در جوق ٹکٹ خرید کر یہ مواعظ سننے کے لئے جمع ہوتے ہیں اور نہایت وقار اور شائستگی کے ساتھ پوری بات سنتے ہیں اور کافی تاثر لے کر اٹھتے ہیں ۔ سامعین کی زبانوں پر ان مواعظ کے لئے انتہائی تحسین و تعریف کے کلمات ہوتے ہیں ۔ مجھے جب یہ معلومات حاصل ہوئیں تو میرا ذہن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے اس ارشادِ گرامی کی طرف منتقل ہوا کہ اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَۃً وَاِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا - " بلاشبہ بعض شعر حکمت سے پُر ہوتے ہیں اور بلاشبہ بعض بیان جادو کا اثر رکھتے ہیں -

مذہبی تعصب نہیں ہے

میں نے ان دوروں میں ایک خاص بات یہ بھی نوٹ کی کہ وہاں مذہبی تعصب نہیں ہے - بلکہ دوسرے مذاہب کے مطالعے اور اس کے سمجھنے کا رجحان موجود ہے - اس کی وجہ یہ ہے کہ آزادیٔ اظہارِ رائے اور حرّیتِ فکر ان کے ہاں بڑی اعلیٰ قدر سمجھی جاتی ہے - یہ ان کے معاشرے کا (CATCH WORD) ہے - وہاں یہ خوبی موجود ہے کہ وہ تمام مذاہب کی بات سننے کے لئے تیار ہیں - قبول کریں یا نہ کریں اس کی کوئی ضمانت نہیں ہے - اس کا انحصار اس پر ہے کہ آپ اپنی بات کس اسلوب اور کس محکم استدلال کے ساتھ کہتے ہیں - کتنے منظم اور سلیقے اور پُرتاثیر انداز سے پیش کرتے ہیں - آپ کے پیغام اور دعوت کی پشت پر آپ کی سیرت و کردار اور آپ کے اعمال و افعال کی قوّت کتنی ہے! کامیابی کے عوامل (FACTORS) دوسرے ہیں - لیکن وہاں کسی مذہب کی دعوت و پیغام پیش کرنے پر کوئی قدغن نہیں ہے - وہاں ریڈیو اور ٹیلی ویژن اسٹیشن حکومت کی گرفت سے بالکل آزاد ہیں - ریڈیو اور ٹی وی کے بے شمار نجی ادارے موجود ہیں - ان کے ذریعہ جو چاہے مقررہ وقت کی معینہ قیمت ادا کرکے اپنا پروگرام پیش کرسکتا ہے - میں نے وہاں چند ٹیلی ویژن پروگرام دیکھے ہیں - یہودیوں کے بھی، عیسائیوں کے بھی اور کالے مسلمانوں کے بھی۔[1]

ظہورِ مسیح کا انتظار

یہودی اپنے پروگراموں میں مختلف اسالیب و انداز بڑی شدّ و مدّ اور دلائل کے ساتھ یہ کہہ رہے ہیں کہ " مسیح کے ظہور کا وقت آگیا ہے -" (THE MESSIHA IS COMING) یہ اس وقت یہودیوں کا خاص موضوع (MAIN THEME) ہے کہ ظہورِ مسیح کا وقت دور نہیں ہے - یہی موضوع

---

[1] معلوم ہوا ہے کہ ریڈیو پر وقت لے کر ڈاکٹر صاحب کے دروسِ قرآن حکیم کے کئی کیسٹ نشر کرنے کا وہاں کے کارکناں انتظام کرچکے ہیں - (مرتب)

عیسائیوں نے دوسرے انداز سے اپنایا ہوا ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ "بادشاہ (مراد ہیں حضرت مسیحؑ) آرہا ہے"۔ (THE KING IS COMING) اسی کے STICKER ان کی کاروں پر لگے ہوئے ہوتے ہیں گویا کہ یہودی اور عیسائی دونوں ہی ظہورِ مسیح کے قائل اور منتظر ہیں۔ ہمارے دینِ اسلام میں تو 'نزول مسیح' کا عقیدہ مسلّمہ عقائد میں شامل ہے ہی ــــ اصل بات یہ ہے کہ یہودیت، عیسائیت اور اسلام 'تینوں مذاہب' ابراہیمی مذاہب' کہلاتے ہیں۔ ان کے بنیاد نبوتؐ رسالت اور وحی آسمانی پر قائم ہے۔ یعنی ان کا اصل منبع علم (SOURCE OF KNOWLEDGE) ایک ہی ہے۔ لہٰذا ان مذاہب کی کتب سماوی میں مطابقت اور قدر مشترک ہونی لازمی ہے۔ جو خرابی پیدا ہوتی وہ یہ ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنی اپنی آسمانی کتب میں لفظی اور معنوی دونوں اقسام کی تحریفات کر دی ہیں حضرت مسیح علیہ السلام اور نبی آخر زماں، رسول کامل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیش گوئیاں تورات اور یہودیوں کے دوسرے آسمانی صحیفوں میں موجود تھیں ان ظالموں نے ختم المرسلین صلّی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی پیش گوئیاں یا تو حذف کر دیں یا ان میں تحریف کر دی اور جب حضرت مسیحؑ مبعوث ہوئے تو ان بدبختوں نے ان کی رسالت پر ایمان لانے سے انکار کر دیا اور آں جنابؑ کے انصار و اعوان بننے کے بجائے ان کے دشمن بن گئے اور ان کو رچشموں نے اپنی دانست میں آں جنابؑ کو صلیب پر چڑھوا کر ہی دم لیا۔ چنانچہ یہ یہودی 'ظہورِ مسیح' کے منتظر ہیں۔ پھر یہ یہودی حسد اور نسلی تعصب کی بنا پر، نبی اکرمؐ کو پہچاننے کے باوجود دولت ایمان سے محروم رہے۔

ہمارے عقیدے کے مطابق حضرت مسیح علیہ السّلام کا ورود مسعود ہو چکا ہے اور آں جنابؑ کو اللہ تعالےٰ صحیح و سلامت اور زندہ یعنی پورے جسد انسانی کے ساتھ آسمان پر اٹھالیا تھا بفحوائے الفاظ قرآنی : وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ اور وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ط ۔ اور بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ط (النساء) اور اِذْ قَالَ لِعِيْسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ (آل عمران)

ہمارے مسلّمہ عقائد کے مطابق ان ہی حضرت مسیحؑ کا نزول ہوگا اور آں جنابؑ زندہ و سلامت بنفسِ نفیس آسمان سے نزول فرمائیں گے سیّد المرسلین خاتم النبیین

ھ لیکن آں جناب کا یہ نزول اور دنیا میں یہ ورودِ ثانی

جنابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی کی حیثیت سے ہوگا - وہ یہودیوں کے نجات دہندہ کی حیثیت سے تشریف نہیں لائیں گے بلکہ وہ عذابِ الٰہی کا کوڑا بن کران یہودیوں کی پیٹھ پر برسیں گے انؑ کے ہاتھوں ہی یہودیوں کو عذاب استیصال کا مزا چکھایا جائے گا جوان قوموں کے باب میں اللہ تعالیٰ کی سنت رہی ہے جن کی طرف رسولوں کی براہ راست بعثت ہوتی ہے اور وہ رسول کے انکار کی پاداش میں ہلاک کردی جاتی ہیں جیسے قوم نوحؑ، قوم لوطؑ قوم صالحؑ اور قوم شعیبؑ عذابِ استیصال کے ذریعے ہلاک وبرباد کردی گئیں - دوسری طرف عیسائی بھی ظہورِ مسیح کے منتظر ہیں ان کا بھی خاص موضوع (MAIN THEME) یہی ہے کہ THE KING IS COMING

یعنی آسمانی بادشاہت آنے والی ہے! وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جو شخص مصلوب کیا گیا تھا وہ نعوذ باللہ بذات خود حضرت مسیحؑ تھے - صلیب دیتے جانے کے بعد ان کی نعش ایک غار میں قبر میں رکھی گئی تھی لیکن وہ زندہ ہوگئے اور زندہ ہوکر اپنے بعض حوارین سے ملے بھی پھران ہی کی آنکھوں کے سامنے ان کو زندہ اُن کے جسد کے ساتھ آسمان پر اٹھا لیا گیا - وہ یعنی مسیح دوبارہ نازل ہوں گے اور دنیا امن وسلامتی کا گہوارہ بن جائے گی اور جس طرح آسمان پر باپ کی مرضی پوری ہوتی ہے اُسی طرح بیٹے کی مرضی زمین پر پوری ہوگی - اسی کو وہ آسمانی بادشاہت قرار دیتے ہیں - یہودی حضرت مسیحؑ اور نبی اکرمؐ کی بعثت کے منتظر تھے اس کا ثبوت موجودہ تحریف شدہ اناجیل اربعہ سے بھی ملتا ہے - متی، لوقا، مرقس اور یوحنا ان چاروں میں یہ بات موجود ہے کہ حضرت مسیح کی بعثت سے متصلاً قبل جب حضرتِ یحییٰ علیہ السلام نے جو حضرت عیسٰیؑ سے چھ مہینے بڑے تھے، انہوںؑ نے یہودیوں کو اصلاح حال کی دعوت اور توبہ کی منادی دینی شروع کی تو انؑ سے یہودی علماء نے آکر پوچھا "کیا تم مسیح ہو؟" یعنی یہودی مسیح کے منتظر تھے - حضرت یحییٰؑ نے نفی میں جواب دیا تو انہوں نے دوسرا سوال یہ کیا کہ "کیا تم ایلیاہ ہو؟" - حضرت الیاسؑ کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ وہ کہیں روپوش ہوگئے تھے - اس پر بھی آں جنابؑ نے نفی میں جواب دیا - پھر انہوں نے تیسرا سوال یہ کیا کہ "کیا تم وہ نبی ہو؟" یہاں صرف اسم ضمیر "وہ" استعمال ہوا ہے - یعنی تشریف

لانے والی یہ شخصیتِ مبارکہ اتنی معروف تھی کہ صرف اسم ضمیر ہی سے ذہن ان کی جانب منتقل ہوجاتا تھا۔ حضرت یحییٰ نے اس کا بھی نفی میں جواب دیا۔ یہ "وہ نبی" کون ہیں! تو یہ ہیں جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ لیکن وائے افسوس کہ جب "وہ نبی" مبعوث ہوئے اور ان کا ظہور قدسی ہوا تو یہودیوں کے ساتھ عیسائی بھی دولت ایمان سے محروم رہ گئے۔ حالانکہ یہ بات صراحت کے ساتھ ان اناجیل میں آج بھی موجود ہے جن پر وہ ایمان رکھتے ہیں۔

آزادیٔ اظہار خیال کی ایک اور مثال

میں یہ بات کہہ رہا تھا کہ امریکہ میں تعصب نہیں ہے اور اظہار رائے وخیال کی پوری آزادی ہے۔ اسی گفتگو میں ضمن طور پر ظہور مسیح یا نزول مسیح کا مسئلہ زیر بحث آگیا۔ امریکہ میں کتنی لچک ہے اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگائیے کہ وہاں یہودی فلم ساز حضرت مسیح کی زندگی پر SON OF THE MAN کے نام سے فلم بناتے ہیں۔ سوچئے کہ اس ملک میں جہاں عیسائیوں کی پچھاسی فیصد سے بھی زیادہ آبادی ہے جس کا عقیدہ ہے کہ مسیح ابن اللہ (SON OF GOD) ہیں وہاں یہودی SON OF THE MAN کے نام سے حضرت مسیح پر فلم بناتے ہیں جو چلتی ہے. لیکن کوئی شور وغوغا نہیں۔ ٹھیک ہے ان کا نقطۂ نظر (VIEW) سننے کے لئے تیار ہیں لیکن اپنا جو عقیدہ ہے وہ بھی برقرار ہے۔ یہ ہے امریکہ میں آزادی اظہار رائے اور حریت فکر کا عالم۔

قوم پرستی (نیشلزم) نہیں ہے

امریکہ کے سلسلے میں ایک اور اچھی بات مشاہدے میں یہ آئی کہ وہاں کوئی مضبوط قومی عصبیت اور تعصب (STRONG NATIONALISM) نہیں ہے۔ وہاں اگر نیشلزم ایک نسل یا ایک زبان بولنے والوں کی بنیاد پر ہوتا تو یہ بھی کسی دعوت کے لئے بہت بڑی رکاوٹ (HARDLE) بن جاتا۔ لیکن امریکہ ایک قوم، ایک نسل اور ایک زبان بولنے والوں کا ملک ہے ہی نہیں۔ وہ پورا ملک نقل وطن کرنے والوں (IMMIGRANTS) پر مشتمل ہے۔ وہاں حال یہ ہے کہ

کوئی آج سے تین چار سو یا ایک دو سو سال قبل ترک وطن کرکے وہاں آباد ہوا اور کوئی پچاس، چالیس، تیس یا اس سے بھی کم مدت قبل وہاں آیا ہے۔ اس سے زیادہ فرق کچھ نہیں ہے۔ پھر آنے والے بھی کسی ایک ہی ملک سے نہیں آئے بلکہ کوئی کسی ایک ملک سے آیا تو دوسرا کسی دوسرے ملک سے۔ اسی لئے وہاں انگریزی زبان بولنے والے بھی ہیں اسپینی اور فرنچ زبان بولنے والے بھی۔ اس لحاظ سے امریکہ کی سوسائٹی ایک COSMOPOLITAN سوسائٹی ہے۔ لہٰذا وہاں کوئی ایسا نسلی، قومی اور لسانی تعصب نہیں ہے جو کسی معاشرے میں دعوت و تبلیغ کے لئے ایک ایسی فصیل بن جاتا ہے جس میں شگاف پیدا کرنا آسان کام نہیں۔

دعوتِ دین کے مواقع

دریں حالات میرا گہرا تاثر یہ ہے کہ امریکہ میں دعوت و تبلیغ کے بڑے مواقع ہیں لیکن اظہارِ واقعہ کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ اس کے ساتھ ہی میرا یہ بھی تاثر ہے کہ بدقسمتی سے وہاں تاحال دعوت و تبلیغ دین کا کوئی ایسا منظم ادارہ موجود نہیں ہے جو خالصتاً صحیح نہج پر یہ کام انجام دے رہا ہو۔ وہاں فی الوقت جو مسلم ادارے موجود ہیں، ان کے روابط کسی نہ کسی طور پر اپنے ملکوں کی مختلف نیم سیاسی نیم مذہبی تنظیموں اور جماعتوں سے یا حکمرانوں سے قائم ہیں۔ لہٰذا وہاں بھی تحزّب موجود ہے اور باہمی تعاون واشتراک کا فقدان ہے اور اگر ہے بھی تو بہت کمزور ہے۔ پھر جو لوگ پاکستان یا ہندوستان سے نقل مکانی کرکے وہاں کی شہریت حاصل کرکے وہاں آباد ہیں یا جو لوگ عارضی طور پر حصول تعلیم یا ملازمت کے لئے وہاں گئے ہیں ان میں اکثریت کا مقصود صرف پیسہ کمانا اور خود کو مالی حیثیت سے مضبوط بنانا ہے۔ ایسے حضرات کے حالات کا میں نے جو مشاہدہ کیا ہے۔ اور اس ضمن میں میرے جو تاثرات ہیں ان کو میں حسب موقع آگے بیان کروں گا۔ اس مرحلے پر میں چاہتا ہوں کہ امریکہ کے کالوں (نیگروز) کا کچھ ذکر کردوں۔

امریکہ کے کالے

امریکہ میں جو مقامی (LOCAL) لوگ ہیں، ان میں گوری نسل کے لوگوں میں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد آٹے میں نمک کی حیثیت سے بھی کم تر ہے۔ البتہ نیگروز میں جو BLACKS کہلاتے

ہیں اور جو امریکہ کی کل آبادی کا تقریباً ۱۲ سے لے کر ۱۵ فیصد تک حصہ ہیں اسلام نے نفوذ کیا ہے اور نیگروز میں سے تقریباً ۱۲ - ۱۵ فیصد افراد اپنے خیال میں اسلام قبول کر چکے ہیں۔ ان میں بھی زیادہ تر تعداد ان لوگوں کی ہے جو اپنے معاشرے میں کسی بلند اور قابل لحاظ حیثیت کے حامل نہیں ہیں۔ پھر میرا تجزیہ یہ ہے کہ ان کی اسلام کی طرف پیش رفت میں اسلام کی حقیقی تعلیم سے تاثر کم اور گوروں کے خلاف نفرت اور انتقام کا جذبہ زیادہ غالب ہے ان کے اندازِ فکر میں مثبت جذبہ کم اور عداوت کا عنصر شدید ہے۔ اسی نفرت و عداوت کے جذبے نے ان کالوں کو گوروں کے مذہب سے بھی بڑی حد تک متنفر کر دیا ہے۔ گوروں کے مقابلے میں ان میں اب اپنے کالے ہونے پر شرمندہ ہونے کے بجائے فخر کا جذبہ روز افزوں ہے اور اب ان کا دعویٰ یہ ہے کہ نسل و رنگ کے اعتبار سے ہم کالے گوروں سے کہیں زیادہ افضل ہیں۔ کالوں کا اپنی رنگت اور نسل پر افتخار کے جذبے کی یہ کیفیت جب میرے علم میں آئی تو مجھ پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ مبارک کی حکمت مزید منکشف ہوئی جو آں حضورؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ:

لیس لعربیٍ علیٰ عجمیٍ	نہ کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت
فضلٌ ولا لعجمیٍ علیٰ	حاصل ہے اور نہ کسی عجمی کو کسی
عربیٍ فضلٌ ولا لاَسود	عربی پر فضیلت ہے اور نہ کسی
علیٰ اُبیضٍ فضلٌ وَلا	کالے کو کسی گورے پر فضیلت حاصل ہے اور نہ کسی
لاُبیض علیٰ اسودٍ فضلٌ	گورے کو کالے پر فضیلت ہے -
الّا بالتقویٰ -	بنائے فضیلت صرف تقویٰ ہے

عام طور پر گورے کا کالے کے مقابل فخر تو سمجھ میں آتا تھا، لیکن کوئی کالا گورے کے مقابلے میں فخر و غرور میں مبتلا ہو، یہ بات فہم و ادراک کی گرفت میں نہیں آتی تھی۔ لیکن امریکہ کے نیگروز (NEGROES) کے اپنی نسل و رنگ پر افتخار و غرور کا حال معلوم کر کے ان آیاتِ الٰہیہ پر مزید شرح صدر حاصل ہوا کہ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی ۝ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝ یعنی حجۃ الوداع میں آنحضورؐ نے جو ارشاد فرمایا وہ الہامی (وحی غیر متلو) تھا۔

کالے مسلمان

ان نیگروں کے اسلام کی طرف رجحان کی داستان بھی بڑی عجیب و غریب ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اس میں تلاش حق کا مثبت عنصر کم بلکہ معدوم کے درجے میں تھا البتہ گوروں کے ظلم و تعدی کے سبب ان کا ردِ عمل اتنا شدید تر تھا کہ جس نے ان کو گوروں کے مذہب سے بھی متنفر کر دیا تھا۔ یہ صورتِ حال تھی کہ جس میں ایلجا نامی ایک نیگرو نے اپنے نام کو ایلجا سے علی جاہ محمد میں تبدیل کیا اور ویسے تو اس نے مسلمان ہونے کا دعویٰ کیا لیکن درحقیقت اس میں بہت سی گمراہیاں جمع ہو گئی تھیں۔ بلکہ گمراہی تو ایک ہلکا لفظ ہے۔ وہ کفر و ضلالت کی اس حد تک پہنچ گیا تھا جسے ضَلَّ ضَلٰلاً بَعِیۡدًا ہی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ وہ نبوت ہی کا نہیں بلکہ الوہیت تک کا دعویدار تھا۔ وہ خود کو خدا کا اوتار بھی کہتا تھا۔ اس نے مسلم دنیا کی ہمدردیاں حاصل کرنے اور ان سے روابط قائم کرنے کے لئے خود کو مسلم کہلانے کا ڈھونگ رچایا تھا۔ اور اپنے پیروں کو وہ کالے مسلمان (BLACK MUSLIM) کہلاتا تھا لیکن درحقیقت وہ ایک نئے اور پر اسرار قسم کے مذہب کا بانی تھا۔ جس میں اسلامی عقائد اور عبادات و شعائر کا دور دور پتہ نہیں تھا۔ وہ خود اور اس کے پیرو نماز تک کے نام سے ناواقف تھے۔ انہوں نے جن مقامات کو مسجد قرار دیا تھا، وہ در اصل مسجدیں نہیں تھیں بلکہ ان کے کلب اور اڈے تھے جہاں کرسیاں بچھی ہوتی تھیں اور وہ مختلف اوقات میں وہاں جمع ہوتے تھے اور اپنے مذموم خیالات کی ترویج کے منصوبوں پر غور کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت جب چاہتی ہے شر میں سے خیر پیدا فرما دیتی ہے۔ کالے چونکہ افریقی النسل تھے اس لئے فطری طور پر ان میں اپنے قدیم وطن سے ایک تعلقِ خاطر تھا جس کے نتیجے میں علی جاہ کے پیروؤں میں سے بعض لوگوں کے وہاں کے لوگوں سے روابط پیدا ہوئے اور چونکہ شمالی افریقہ کی آبادی میں مسلمانوں کی عظیم اکثریت ہے جن میں بحمد اللہ صحیح العقیدہ مسلمانوں کا غالب عنصر ہے۔ اور وسطی و جنوبی افریقہ میں مختلف مسلم ممالک کے تبلیغی اداروں کی وجہ سے اسلام پھیل رہا ہے لہٰذا ان روابط کے ذریعے علی جاہ کے پیروں کو صحیح اسلام کے سمجھنے کے مواقع میسر آئے اور جب امریکہ کے ان کالوں نے اسلام اور مسلمانوں کو قریب سے دیکھا تو اثر بھی قبول کیا اور بہت سے لوگوں نے باقاعدہ صحیح اسلام کو اختیار بھی کیا۔

جس میں مالکم الیکس کی ایک نمایاں شخصیت تھی۔ جس نے حجاز کا بھی دورہ کیا تھا اور وہ صحیح معنوں میں حلقہ بگوش اسلام ہوگیا تھا۔ وہ بہت ہی جاذب نظر پُر وقار اور پُراثر شخصیت تھا۔ اس لئے اس کا امکان تھا کہ اس کی دعوت و تبلیغ اور سعی و جہد سے امریکی نیگروز میں صحیح اسلام نفوذ کرے گا لہٰذا اس کو راہ سے ہٹا دیا گیا اور سازشوں نے اس کو قتل کرا دیا۔ ابھی تک یہ عقدہ نہیں کھل سکا کہ اس کے پیچھے علی جاہ کے لوگوں کا ہاتھ تھا یا امریکہ کے عیسائیوں میں سے کسی متعصب گروہ کا۔

بلالی مسلمان

علی جاہ کے انتقال کے بعد ان کے ایک بیٹے والس محمد کے ہاتھ میں اپنے فرقے کی قیادت آئی۔ والس محمد ایک صاحب علم شخصیت ہیں، انہوں نے مشرق وسطیٰ کا کئی بار دورہ بھی کیا ہے اور جامع الازہر قاہرہ سے علمی استفادہ بھی کیا ہے۔ باپ کی زندگی ہی میں ان کا میلان و رجحان صحیح اسلامی تعلیمات کی طرف منعطف ہو چکا تھا۔ جس کی وجہ سے باپ ان سے ناخوش بھی تھا۔ لیکن چونکہ والس محمد اپنے فرقے میں مقبول و محبوب تھے اس لئے قیادت ان کے ہاتھ میں آئی۔ پچھلے سال تک ان کا نام والس محمد تھا۔ اس سال جب میں وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنا نام والس محمد سے وارث الدین محمد رکھ لیا ہے اور اپنے معتقدین کے لئے جنہوں نے اپنا نام 'کالے مسلمان' (BLACK MUSLIMS) رکھ چھوڑا تھا اب ان کے لئے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کی نسبت سے بلالی مسلمان نام تجویز کیا گیا ہے۔ چنانچہ اب یہ لوگ خود کو بلالی مسلمان' کہلواتے ہیں۔ وارث الدین محمد پر سعودی عرب نے بھی خاصی محنت کی ہے۔ ان کو سرکاری مہمان (STATE GUEST) کی حیثیت سے حجاز میں کچھ عرصے رکھا ہے اور وہاں ان کو صحیح اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانے کی سعی بلیغ کی ہے۔ مزید برآں چند سالوں سے سعودی حکومت اس کمیونٹی کے افراد کو تقریباً تین تین سو کی تعداد میں ہر سال اپنے خرچ پر حج پر بلاتی ہے، اپنا مہمان رکھتی ہے اور ان کو اسلام کی صحیح تعلیمات سے واقفیت بہم پہنچانے کی حتی الامکان کوشش کرتی ہے۔

خوش گوار تبدیلی

ان تمام عوامل نے مل کر الحمدللہ ان میں ایک خوش گوار تبدیلی برپا کی ہے۔ شکاگو میں ان کا مرکز ہے اور امریکہ کے

متعدد شہروں میں ان کے ذیلی مراکز قائم ہیں ۔ یہی مراکز ان کی مساجد بھی ہیں۔ اور جماعت کی مذہبی اور اجتماعی سرگرمیوں کے سنٹرز بھی ۔۔ اب ان میں باقاعدہ پنج وقتہ نماز باجماعت کا اہتمام ہوتا ہے ۔ اب نقشے بدلے ہوئے ہیں ۔ عقیدے اور عمل کے لحاظ سے ان کا رُخ صحیح اسلام کی طرف مُڑ رہا ہے ۔ ان بلالیوں نے تبلیغ کا ایک باقاعدہ اور مضبوط نظم قائم کیا ہوا ہے ۔ ان کی طرف سے ہر ہفتہ ٹیلی ویژن پر اپنی دعوت پیش کرنے کا انتظام ہوتا ہے ۔ اس ضمن میں ہر ہفتے ان کو بڑی معقول رقم ٹی ۔ وی والوں کو ادا کرنی ہوتی ہے ۔ وارث الدین محمد ٹی وی پر "محمد بات کرتے ہیں" (MUHAMMAD IS SPEAKING) کے عنوان سے تقریر کرتے ہیں ۔ ان کا بلالین نیوز' کے نام سے ایک ہفتہ وار رسالہ بھی شائع ہوتا ہے ۔ ان لوگوں میں اور نمایاں تبدیلی یہ بھی آئی ہے کہ پہلے یہ دنیا کے تمام گوروں کے خلاف نفرت میں مبتلا تھے چونکہ ان کی اپنی تعریف کے مطابق حبشیوں اور نیگروں کے علاوہ دوسرے تمام لوگ "گورے" کے ذیل آتے تھے ۔ اب اس نفرت میں کمی آ رہی ہے اور ان کے نزدیک 'امریکی گورے' ہی قابلِ نفرت ہیں ۔

بلالیوں کے ایک ذیلی مرکز کا دورہ

پچھلے سال بھی اور اس سال بھی میں نے ان کے بالٹی مور کے ذیلی مرکز کو دیکھا تھا ۔ وہاں اجتماع جمعہ سے انگریزی میں خطاب بھی کیا تھا اور نماز جمعہ بھی پڑھائی تھی انگریزی میں درس قرآن بھی دیا تھا ۔ آئندہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا اور امریکہ جانا ہوا تو شکاگو میں ان کے مرکز جانے اور وارث الدین محمد سے ملاقات کرنے کا بھی ارادہ ہے ۔

دوسرے کالے مسلمان

وارث الدین محمد کے معتقدین یعنی 'بلالی مسلمان' کے علاوہ ایک چھوٹی سی جماعت ان کالے مسلمانوں کی بھی ہے جنہوں نے صحیح اسلام کو باقاعدہ طور پر قبول کیا ہے ۔ ان کے حالات بہت اچھے ہیں اور ان کا دینی جذبہ اور اسلامی عقائد و اعمال سے ان کی گہری وابستگی بہت سے مشرقی ممالک کے نسلی مسلمانوں کے مقابلے میں کہیں بہتر ہے ۔ یہ لوگ بلالی مسلمانوں کو صحیح مسلمان نہیں سمجھتے اور علی جاہ کے اصل افکار کے پیش نظر ان کا یہ سمجھنا بالکل

درست ہے ۔ لیکن اب جبکہ وارث الدین محمد کے عقائد اور افکار و نظریات میں نمایاں تبدیلی آچکی ہے وہ خود بھی صحیح اسلام سے قریب ہو رہے ہیں اور اپنے معتقدین کو بھی اس راہ پر لانے کی کوشش کر رہے ہیں تو اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ ان دونوں فریقوں میں مفاہمت ہو جائے ۔ یہ مفاہمت امریکہ میں نیگروز میں اسلام کے فروغ کے لئے ان شاء اللہ مفید ثابت ہو گی ۔

ان نو مسلموں کی دینی حِس

میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ امریکہ کے نیگرو مسلمانوں میں اسلامی عقائد و اعمال سے وابستگی اور تعلق ہمارے مشرقی ممالک کے نسلی مسلمانوں کے مقابلے میں کہیں بہتر ہے ۔ اس بات کا صحیح اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ ان نیگرو مسلمانوں میں جن میں "بلالی" بھی شامل ہیں ۔ امریکہ جیسے ملک میں جہاں بے حجابی اور نیم عریانی ہی نہیں بلکہ کامل عریانی عین تہذیب ہے ، اپنی خواتین کو مستور رکھنے کا پورا اہتمام ہے ۔ چہرے کا پردہ نہیں ہے لیکن باقی جو ستر ہے وہ پورا ڈھکا ہوتا ہے اور ان کی خواتین اپنے لباس کے اوپر ایک OVER — ALL قسم کا کوٹ پہنتی ہیں ۔ ان کے مقابلے میں پاکستانی خواتین میں سے کچھ تو بالکلیہ امریکی تہذیب و تمدن کے رنگ میں رنگ گئی ہیں ۔ ان کے لباس اور امریکی عورت کے لباس میں سرِ مو فرق نہیں ہے ۔ بقیہ خواتین میں سے بھی عظیم اکثریت کا یہ حال یہ ہے کہ وہ ساڑھیاں اور بلاؤز پہنے بازاروں میں گھومتی ہیں جس میں ان کی کمریں بھی ننگی اور پیٹ بھی ننگے ہوتے ہیں ۔ اور ان کے پستان کسے کسائے اور ابل پڑنے کو تیار ۔ جو خواتین کرتا یا قمیص اور شلوار استعمال کرتی ہیں تو ان کا بالائی لباس اتنا تنگ ہوتا ہے کہ تمام نشیب و فراز واضح ہوتے ہیں اور گلا کھلا اور پستان نیم عریاں ۔ استغفراللہ یہ نمونہ ہے جو اسلامی مملکت کہلانے والے پاکستان کی مسلمان خواتین وہاں پیش کرتی ہیں ۔ پھر غضب یہ ہے کہ یہ خواتین اسی لباس میں مساجد میں بھی پہنچتی ہیں ۔ ثم استغفراللہ میں نے اپنی طبیعت پر جبر کر کے اس شرمناک صورتِ حال کا تذکرہ کیا ہے چونکہ جب تک تصویر کا حقیقی اور صحیح رُخ پیش نہ کیا جائے بات کی اہمیت واضح نہیں ہوتی ۔ وہاں کے نو مسلم انتہائی دکھ کے ساتھ ان باتوں پر اعتراض اور نکیر کرتے ہیں اور درست کرتے ہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ

"تم کیسے مسلمان ہو؟ تمہاری عورتیں اپنے لباس سے قطعی مسلمان خواتین نظر نہیں آتیں۔ ان کے اور ہندو خواتین کے پہناوے میں ہمیں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ جن خاندانوں کی یہ خواتین ہیں ان کے متعلق ہمیں بتایا جاتا ہے کہ وہ پشتینی مسلمان ہیں، ان میں کوئی سید زادہ ہے تو کوئی پیرزادہ۔ لیکن ان میں سے اکثر و بیشتر کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے ظاہر اور رہن سہن سے کسی طور پر بھی مسلمان دکھائی نہیں دیتے"۔ یہ ہے ان کا شدید ردعمل۔ جو میرے علم میں آیا۔ گویا ہمارے لوگوں کی عظیم اکثریت اپنے اس طرزِ عمل سے وہاں کے نومسلموں کو بدظن کرنے کا باعث بن رہی ہے اور تبلیغ و فروغ اسلام کے بجائے اس راہ کا سنگ گراں ثابت ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ ہمارے بھائی اس روش کی اصلاح کریں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگ دنیا میں بھی رسوائی کما رہے ہیں اور آخرت میں بھی ان کے نصیب میں رسوائی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔

اَللّٰهُمَّ نَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا۔

یہودیوں کی مذہبی حالت یہودی دنیا کے جس خطے میں بھی جاکر آباد ہوئے ہیں وہاں انہوں نے خود کو بالکل گم نہیں کیا بلکہ بہت بڑی حد تک انہوں نے اپنا تشخص برقرار رکھا ہے۔ اُن میں جن لوگوں پر اپنے مذہب کا شدید غلبہ ہے جو ORTHODOX یہودی کہلاتے ہیں وہ اپنی وضع قطع اور رہن سہن میں اپنے مذہبی اور قومی شعائر اور روایات کی سختی سے پابندی کرتے ہیں۔ مجھے امریکہ کے جن شہروں میں جانے کا اتفاق ہوا وہاں میں نے ایسے یہودی دیکھے جن کو دیکھ کر یہ گمان ہوتا ہے کہ کوئی مسلمان چلا آ رہا ہے وہی شرع کے مطابق ڈاڑھی، اُسی طرح کا انداز۔ وہ لمبا کوٹ پہنتے ہیں، ان کی تپلون بھی ڈھیلی ڈھالی اور ٹخنوں سے خاصی اونچی ہوتی ہے۔ گویا وہاں اگر کوئی مسلمان اپنے شعائر کو اختیار کرنا چاہے تو جس نہج پر وہ اپنا لباس بنائے گا۔ ہوبہو پابندِ مذہب یہودی وہاں ایسا ہی لباس پہنتے ہیں۔ خنزیر اسلامی شریعت کی طرح موسوی شریعت میں بھی حرام ہے یہی معاملہ 'ذبیحہ' کا ہے۔ یعنی جو جانور اسلامی طریق پر ذبیح نہ ہوا ہو اس کا گوشت حرام ہے۔ یہود بھی 'ذبیحہ' کو لازم سمجھتے ہیں۔ لیکن انتہائی دکھ کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ یورپ اور امریکہ جانے والے

ہمارے مسلمان بھائیوں میں سے بہت سے اس معاملے میں مجرمانہ حد تک لے پروائی برتتے ہیں۔ لیکن اس معاملے میں یہودیوں کی مذہبی حس قابل رشک ہے۔ چنانچہ امریکہ اور یورپ میں یہودیوں کی کوشش سے ان کے لئے ذبیحہ کا انتظام موجود ہے۔ امریکہ، برطانیہ اور یورپ کے اکثر ممالک میں آپ کو بہ آسانی کوشر میٹ یعنی یہودیوں کا ذبیحہ مل جائے گا۔ میں تو حیران ہوا ہوں کہ آپ کسی بھی ہوائی کمپنی کی سروس کے جہاز سے سفر کریں اور آرڈر دیں کہ مجھے ذبیحہ (کوشر میٹ) چاہیئے تو آپ کو AIR TIGHT پیکٹ میں یہ کھانا مل جائے گا اور ہر پیکٹ پر یہ سرٹیفیکیٹ موجود ہوگا کہ یہ کوشر میٹ ہے۔ اس میں جو برتن ہیں وہ پہلی مرتبہ استعمال ہوئے ہیں، اس کھانے کو خنزیر کی کوئی ہوا بھی نہیں لگی ہے اور اس میں نباتاتی چکنائی استعمال ہوتی ہے! یہ ہے یہودیوں کے غلبے اور اثر کا عالم! انتہائی اقلیت میں ہوتے ہوئے بھی انہوں نے اپنے مذہب کی باتیں منوالی ہیں۔

امریکی معاشرے پر یہودیوں کے اثرات

امریکہ میں یہودیوں کی کل تعداد ہاں کی آبادی کے لحاظ سے زیادہ سے زیادہ پانچ فیصد ہے۔ لیکن چونکہ یہ ایک منظم قوم ہے اور اس میں اپنی تاریخ کے دورِ قدیم کے عروج کی تجدید و احیاء کا جذبہ بھی انتہائی شدید ہے۔ سرزمینِ فلسطین پر "اسرائیل" کے نام سے ان کی ایک ریاست قائم ہو جانے کی وجہ سے ان کے حوصلے بھی بلند ہیں۔ پھر ذہنی اعتبار سے یہ قوم بڑی فطین، تعلیم یافتہ بلکہ انتہائی کیاد و عیّار اور سازشی قوم ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ اس کی گھٹی اور ذہنیت میں بنیاپن بھی رچا بسا ہے لہذا دولت و سرمایہ کے لحاظ سے بھی یہ قوم ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ لہٰذا اتنی قلیل تعداد میں ہونے کے باوجود امریکی معاشرے میں یہودیوں کی گرفت (HOLD) بہت مضبوط ہے اور اس وقت امریکہ کو یہودی قوم کے لئے درحقیقت ایک بنیاد (BASE) کا مقام حاصل ہے، جہاں سے اس قوم کے سازشی ذہن کی کرشمہ سازیوں کی ترویج اور ان کے عزائم کی تکمیل ہو رہی ہے۔ اور جیسا کہ میں اپنی تقریر کے اُس حصے میں جو پندرھویں صدی کے آغاز سے متعلق تھا عرض کر چکا ہوں

کہ آج دنیا جس عریانی، فحاشی، جنسی بے راہ روی اور قمار بازی کی لعنتوں گرفتار ہے اس میں بہت بڑا حصہ یہودی دانشوروں اور سرمایہ کاروں کا ہے۔ یورپ کے متعدد ممالک اور خاص طور پر امریکہ میں ذرائع ابلاغ یعنی اخبارات ورسائل، لٹریچر کی نشر واشاعت، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور فلمی صنعت پر زیادہ تر یہودیوں کا قبضہ ہے۔ یہی کیفیت بڑی بڑی صنعتوں اور بینک کاری کی ہے، جس کے مراکز امریکہ ہی میں نہیں بلکہ یورپ، ایشیا اور افریقہ تک وسیع ہیں دنیا میں عالمگیر وسعت اور شہرت رکھنے والے صنعتی وتجارتی اداروں اور بینکوں میں گنتی کے ایسے ادارے اور بینک ہوں گے جہاں یہودیوں کا سرمایہ لگا ہوا نہ ہو۔ یا کلیدی آسامیوں (KEY POSTS) پر وہ فائز نہ ہوں۔ امریکہ میں ان کے نفوذ کا یہ حال ہے کہ وہ اپنی سرمایہ کاری کی وجہ سے ایوانِ حکومت پر بھی اثرانداز ہوتے ہیں۔ حکومت میں کئی اہم کلیدی مناصب ان کے پاس ہیں۔ سود خوری ان یہود کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ چنانچہ اقساط پر مکان اور دیگر سامان جس میں کاریں، فرج، ٹیلی ویژن فرنیچر، قالین ہی نہیں بلکہ ہر قسم کی گھریلو چیزیں شامل ہیں فروخت کرنے کے جتنے ادارے امریکہ میں کام کر رہے ہیں۔ ان میں سے اکثر یہودیوں کے کنٹرول میں ہیں اور بعض میں انہوں نے سرمایہ کاری کی ہوئی ہے۔ ذرائع ابلاغ پر قابض ہونے کی وجہ سے یہودی فکر عالمی رائے پر کافی اثر انداز ہوتا ہے۔ غرض کہ یہودی اپنی ذہانت وفطانت اور سرمایہ کاری کی وجہ سے امریکہ کی دونوں سیاسی پارٹیوں (ریپبلکن اور ڈیموکریٹک) میں موثر رسوخ ونفوذ رکھتے ہیں جس کی وجہ سے ان پارٹیوں میں سے جو پارٹی بھی برسرِ اقتدار آتی ہے، وہ امریکہ ہی میں نہیں پوری دنیا میں یہودیوں کے مفادات کی محافظت کو پیش نظر رکھتی ہے اور ان کی پشت پناہ بنی رہتی ہے۔ لیکن ہر عمل کا ایک ردِ عمل بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ امریکہ کے عوام کے ایک باشعور حلقے میں یہودیوں کے اس اثر رسوخ اور نفوذ کے خلاف ایک ردِ عمل پیدا ہو چکا ہے۔ جس کے کچھ شواہد میرے علم میں آئے ہیں۔ جنہیں اختصار کے ساتھ میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ (جاری ہے)

اسلام کی پندرھویں صدی

موقر دینی ماہنامہ الفرقان لکھنو (بھارت) کے شمارے میں مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی خلف حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کے قلم سے مندرجہ بالا عنوان پر جو مضمون شائع ہوا تھا وہ قارئین میثاق کے استفادہ کے لئے پیش ہے (مرتب)

سنہ ہجری اسلامی نے سو سال کا سفر اور طے کر لیا۔ اب وہ پندرھویں صدی میں گامزن ہے اور چودھویں صدی کا ورق اُلٹ گیا۔

ان الفاظ یا ان جیسے الفاظ کو بولنے یا لکھنے سے یہ بات از خود ظاہر ہو رہی ہے کہ ہجری صدی کی یہ تبدیلی کوئی پہلی بار نہیں ہو رہی ہے بلکہ یہ واقعہ اس سے پہلے تیرہ مرتبہ اور ہو چکا ہے۔ کیا ان تیرہ میں سے ایک مرتبہ بھی یہ غلغلہ کبھی بلند ہوا کہ صدی بدل رہی ہے، اسلامی تاریخ نے ہجرت نبویؐ کے یادگار سفر سے سو سال آگے کا سفر اور طے کر لیا۔ اس لئے لوگ جشن منائیں اور جشن کے رسوم و آداب عمل میں لائیں ؟

تیرہ صدیوں کی پوری تاریخ پر نظر ڈالئے۔ پہلی صدی جب تکمیل کو پہنچکر دوسری کے لئے راہ کھول رہی تھی تو یہ وقت عالم اسلام کے لئے بیحد فرحت و سرور اور شکر و مسرت کا وقت تھا۔ خلافتِ راشدہ کی تابناک و ایمان افروز یادوں پر ملوکانہ خلافت کے اطوار نے جو دل گرفتہ و رنجور کرنے والے سائے ڈال دیے تھے، عین پہلی صدی کے اختتام (۹۹ھ) میں اس تاریک مطلع پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت کی شکل میں، خلافت راشدہ کی تابانیاں پھر سے نمودار ہوئیں اور دوسری صدی ہجری کا آغاز ہوتے ہوتے دُنیائے اسلام اس "آفتاب تازہ" کی تابانیوں سے ایک بار پھر جگمگا اُٹھی ۔۔۔ یہ وقت تھا کہ لوگ جشن مناتے، فرحت و سرور کے مراسم ادا کرتے اور قومی پیمانے پر شکر و مسرت کی تقریبات بپا ہوتیں۔ مگر . . . مگر ہماری تاریخ کی کوئی روایت نہیں بتاتی کہ ایسا ہوا ہو اور دوسری صدی کے اس شاندار اور انتہائی قابل شکر آغاز پر کچھ قومی تقریبات عمل میں آئی ہوں۔

کیا اُس دَور کے لوگ ناشکرے تھے، استغفراللہ، ہمیں اُن سے کیا نسبت؟

یہ تابعین کا دور تھا، بعض صحابہ بھی حیات تھے۔ ہم اندازہ بھی نہیں کر سکتے کہ یہ وقت اُن کے لئے بالعموم کتنا فرحت انگیز اور شکر خیز تھا۔ اور کیسے کیسے سجدہائے شکر انہوں نے اپنی خلوتوں میں ادا کیئے ہوں گے۔

اسی طرح صدی بہ صدی نظر ڈالتے چلے جایئے، کئی موقعے صدیوں کے آغاز و اختتام کے ایسے ملیں گے جب واقعی لوگوں کو حق تھا کہ مسرت و انبساط کے مظاہر اپنائیں اور دنیا کو جتائیں کہ اسلام ابدی ہے، اس کے گلشن میں خزاں کا عمل کبھی دائمی نہ ہو سکے گا، یہ وقتی اور آنی جانی ہے۔ اس کی اصل فطرت میں بہار ہے، نمو ہے اور یہ فطرت اسی طرح سدا ظہور کرتی رہے گی لیکن دوسری صدی کی طرح یہ تمام موقعے بھی ہمیں کسی جشن آرائی کے تذکرے سے خالی ملتے ہیں۔

پھر یہ کیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے پہلی دفعہ ایک نئی صدی شروع ہونے کا عمل اسلامی تاریخ میں ہو رہا ہے۔ اور یہ بھی ــــ کہ گویا کچھ ایسے عظیم کارنامے اُمت نے گزرنے والی (چودھویں) صدی میں انجام دیے ہیں جن کے نتیجے میں وہ اب شروع ہونے والی اپندرھویں صدی کو اپنی اور اسلام کی صدی سمجھ لینے میں حق بجانب اور احساس فخر سے بے قابو ہے۔

کون نامراد وہ مسلمان ہوگا جو آرزو نہ کرے اور امید نہ رکھے کہ ہر آنے والا دن ہر آنے والا ماہ و سال اسلام کا، اس کی ملّت کا دن اور ماہ و سال ہو۔ مگر ہم ہیں کہاں؟ یہ بھی تو دیکھنے کی بات ہے۔ کون سے وہ کارنامے ہم سے ظہور میں آئے ہیں جن سے چودھویں صدی ہمیں دعائیں دیتی ہوئی گئی ہے اور پندرھویں کے متعلق ہم سر اونچا کر کے کہنے کے حقدار ہیں کہ جو کچھ کسر رہ گئی ہے وہ اس میں پوری کر دی جائے گی؟

بے شک چودھویں صدی کے وسط تک ہم جس قعر مذلت میں گرفتار تھے، جس طرح غیروں کی غلامی کا قلادہ عام طور سے ہماری گردنوں میں پڑا ہوا تھا، اور غیروں سے مرعوبیت اور خود فراموشی کی جو کیفیت ہمارے اوپر مسلط تھی صدی کے آخری نصف سے یہ تمام باتیں ختم ہونا شروع ہو گئیں۔

ہمارے غلام ملک آزادی پاتے چلے گئے، ذلت کی بہت سی صورتیں ختم ہو گئیں، مرعوبیت سے گردن چھوٹنے لگی اور خود کو سمجھنے کا جوہر بھی از سر نو جلا پانے لگا۔

لیکن ذرا دیر کے لئے سنجیدہ تجزیہ سے کام لیا جائے تو نظر آئے گا کہ ہم جو غلامی سے آزادی کی فضا میں آئے تو یہ اُس عالمی لہر کا نتیجہ تھا جو (COLONI ALISM) سامراج شکست و ریخت سے پوری دنیا میں پیدا ہوئی۔ اسی نے ہماری خود شناسی کو جھنجھوڑ کر مرعوبیت سے نکالا اور ذلت پر عملاً راضی ہو جانے کی حالت دور کی۔ اسی ذیل میں ہمارے یہاں اسلامی نشاۃ ثانیہ کی تحریکیں اٹھیں اور مسلم عوام و خواص کی ایک بڑی تعداد کو اُنہوں نے اپنے گرد جمع کر لیا، اسلام کو ایک زندہ اور خود کفیل دین اور نظام زندگی کے طور پر پیش کرنے کا بہت سی جگہوں پر بہت بلند آہنگ کام ہوا۔ اور اسے تمام غیر اسلامی عناصر سے پاک کر کے مکمل طور سے ساری دنیا میں غالب کر دینے کی جدوجہد ہوتی نظر آنے لگی۔ مگر ساری دنیا تو کیا اسلامی دنیا پر بھی غالب کیا چیز ہوئی ہے وہی شخصی اور قومی نخوت و انانیت جو تمام نو آزاد ممالک میں آزادی کے ساتھ ساتھ بروئے کار آئی۔

فضا اسلام کا نام لینے کی بن گئی تھی اس لئے عام طور پر ارباب اقتدار نے نام اسلام ہی کا آگے رکھا۔ مگر عملاً اسلام کے ساتھ برائے نام واسطے سے لیکر صریح اسلام دشمنی تک اُن کا کردار بنی ہوئی پائی گئی۔ کہیں (بادشاہتوں میں) خاندانی اقتدار کو اصل مطمح نظر رکھ کر اسلام کے اس حصے کو اپنا شعار ٹھیرا لیا گیا جس کو خاندانی اقتدار کے لئے بے ضرر ہی نہیں بلکہ مددگار سمجھا گیا۔ کہیں صرف اسلامیت اور اسلام سے وفاداری کے ابلہ فریب اظہار ہی پر اکتفا کیا گیا۔ اور کہیں اسلام کے نام کے ساتھ وہ نظام زندگی اور طرز زندگی رائج کرنے کی دیوانہ وار کوشش کی گئی جس کو اسلام سے بس ایک ضد کی نسبت تھی، دنیا میں پھیلے ہوئے ملحدانہ اور مادہ پرستانہ (بلکہ کافرانہ) افکار کو اسلام ہی کے نام سے اپنے ملکوں اور دوسرے اسلامی ملکوں میں ٹھونسنے کی مجنونانہ سعی ان لوگوں نے کی۔ یہ عموماً وہ تھے جو اپنے ملک کا نظام کہنہ اُلٹ کر انقلابی انداز میں برسر اقتدار آتے تھے — اور پھر حالات کی اس رفتار کے نتیجے میں یہ المناک صورت حال بھی دیکھنے میں آگئی کہ جو لوگ اسلام، صرف اسلام اور کامل اسلام کا علم لیکر چل رہے تھے — چاہے وہ کسی ملک کے بھی ہوں — وہ "ایں ہم غنیمت است" کے فلسفے کی پناہ لیتے ہوئے اسلامی دنیا کے اُن ارباب اقتدار کی گود میں بیٹھے ہوتے نظر آنے لگے جن کی

رسمی یا جزوی "اسلامیت" سے وہ قطعاً راضی نہ تھے اور نہ اُن کے اسلامی فکر میں ان کے لئے کسی رعایت کی گنجائش تھی ـــــــــ یہ ہماری صورت حال ہے جس میں جانے والی صدی ہمیں چھوڑ کر گئی ہے۔

صدی کے بالکل آخری سرے پر ایک زبردست "اسلامی انقلاب" کا دھماکہ ایران میں ہوا۔ دنیا کے ہر خطہ کے "علمبرداران اسلامی انقلاب" کی مرجھاتی ہوئی اُمیدیں اس سرے سے اُس سرے تک جاگ اُٹھیں۔ ایسا لگا جیسے اُن کی بے بسی پر قدرت کا ہاتھ براہ راست حرکت میں آگیا، بے بسی کے دن رخصت ہوئے اور اسلامی انقلاب اور اسلامی نظام کا سورج پوری آب وتاب کے ساتھ باطل کے اندھیروں کو شکست دینے کے لئے آنکلا۔ مگر وائے محرومی کہ ابھی جانے والی صدی کے دن پورے نہیں ہو پائے تھے کہ اوّل تو اس "اسلامی انقلاب" نے خود ہی کچھ مایوسی سی پیدا کرنا شروع کر دی اور اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ اسلامی تحریکوں کے یہ علمبردار جن "غنیمت" قسم کے مسلم حکمرانوں سے وابستگی اختیار کئے ہوئے تھے وہ سب کے سب اس "اسلامی انقلاب" سے خوفزدہ ہونے کی وجہ سے عراق کی اُس بعثی حکومت کی پشت پر آکھڑے ہوئے جس نے ایران کے اس "اسلامی انقلاب" کو تہس نہس کرنے کے ارادے سے صدی کے بالکل آخری مہینے میں پوری طاقت سے ہلّہ بول دیا تھا۔ اور اب تک اُس کا سلسلہ جاری ہے۔

اس طرح کی اور کئی قابل ذکر باتوں کو چھوڑتے ہوئے، یہ ہے وہ صورت حال جس میں چھوڑ کر ہمیں چودھویں صدی رخصت ہوئی ہے اور پندرھویں صدی نے ہمیں جس میں پایا ہے۔

کیا حالات کا نقشہ ہمیں حق دیتا ہے کہ اس نئی صدی کو اسلام کی اور مسلمانوں کی صدی قرار دیتے ہوئے ہم جشن طرب، افتخار کی تقریبات سجائیں۔ اور تیرہ صدیوں کی پچھلی تاریخ میں، باوجود ایسے مواقع ہونے اور استحقاق کی واقعی بنیادیں موجود ہونے کے، جو کبھی نہیں ہوا اسے اس انداز سے کرنے کھڑے ہو جائیں جیسے فی الواقع ہمیں یہ کرنا ہی چاہیئے۔

حقیقت یہ ہے کہ صدی کی اس تبدیلی پر ہمیں اگر کچھ کرنا ہی چاہیئے تو وہ بس یہ

ہے کہ اپنے پچھلے اعمالنامہ کا جائزہ لیں۔ غلطیوں اور کمزوریوں پر اللہ سے استغفار کریں، اپنی آنکھوں سے مطلوبہ نتائج دیکھ لینے کی بے صبری میں شارٹ کٹ اور وقتی ضرورت کی خود فریبی میں جو کھلی بے راہ رویاں ہم سے ہوتی ہیں اُن سے آئندہ کے لئے تائب ہوں اور اسی طرح یہ بھی دیکھیں کہ دعوت اسلامی کی ہماری فکر میں ایسی کوئی غلطی تو نہیں جو سارے اخلاص، بڑی قربانیوں، اعلیٰ درجہ کی توانائیوں کے صرف اور ایک طویل سلسلۂ جد وجہد کے باوجود بیحد غیر متوقع نتائج کا باعث بن گئی ہو — یہ کام ہے جس کے لئے جلسے منعقد ہوں۔ اجتماعات ہوں، سمپوزیم اور سیمینار ہوں

چودھویں صدی کے بارے میں ایک عامیانہ شہرت برابر رہی ہے کہ یہ شاید دنیا کی آخری صدی ہوگی۔ اور غیر مسلموں کی تعبیر کے مطابق اسلام کی آخری صدی بہت ہی قرین قیاس ہے کہ اس شہرت عام کو اور خیال خام کو خاص طور سے اس جشن آرائی کی کامیابی کا ضامن سمجھا گیا ہو۔ اور اگر تجسس کیا جائے تو عوام کی اس سے دلچسپی کے پیچھے یہ بات ضرور نکل آئے گی۔

ایک مدت کے بعد چودھویں صدی میں ایسے غیر معمولی مواقع اللہ تعالےٰ نے عالم اسلام کو عطا فرمائے کہ وہ پھر سے سچی اسلامیت اختیار کرتے لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان کی بڑی ناقدری ہم نے کی اور اس کی سزا ملنا شروع ہوگئی — بات اب بھی ہاتھ سے نہیں گئی ہے، لیکن اس کے لئے پورے طور پر اسلام کو اپنانا ہوگا، رسمی اور نمائشی باتوں سے کچھ ہونے والا نہیں۔

انجمن خدام القرآن اور قرآن اکیڈمی

کے مقاصد کی وضاحت کیلئے مطالعہ فرمائیں

اِسلام کی نشأۃِ ثانیہ

کرنے کا اصل کام

از قلم :- ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِسلام

اور

حقوقِ اطفال

چوتھی قسط ، از قلم : غازی عزیز (علی گڑھ) حال مقیم سعودی عرب

منہ بولے بیٹے، بیٹیوں اور غیر شرعی اطفال کے متعلق خصوصی احکامات

جن لوگوں کی اولاد نہیں ہوتی وہ دوسروں کے بچے گود لے کر پرورش کرتے ہیں تاکہ اُن کے بعد اُن کی وارثت و خاندانی عزت و شہرت کا کوئی جانشین رہے نیز اُن کی خواہش کی تسکین بھی ہوتی رہے۔ ایسے بچے اپنے اصل والدین کے نام سے منسوب کئے جانے کے بجائے پالنے والے شخص کے نام سے منسوب کئے جاتے ہیں۔ ان کو متبنی یا لے پالک یا منہ بولا یا گود لیا ہوا کہا جاتا ہے۔ اسلام سے قبل شرفائے عرب اولاد کی محرومیت کو دور کرنے کے لئے بچوں کو گود لے لیتے تھے، آج بھی یہ رواج دنیا کے بعض گوشوں میں اسی طرح رائج ہے۔ اسلام نے متبنی کرنے کو ممنوع قرار دیا چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے :-

وَمَا جَعَلَ اَدْعِیَآءَکُمْ "ترجمہ :- اور نہ اس نے تمہارے منہ

اَبْنَآءَكُمْ ۚ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ - (الاحزاب - ۴ و ۵)	منہ بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا بنایا ہے یہ تو وہ باتیں ہیں جو تم لوگ اپنے منہ سے نکال دیتے ہو مگر اللہ وہ بات کہتا ہے جو مبنی بر حقیقت ہے اور وہی صحیح طریقے کی طرف رہنمائی کرتا ہے - منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں

کی نسبت سے پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ بات ہے -"

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد یہ بات حرام قرار دے دی گئی کہ کوئی شخص اپنے حقیقی باپ کے سوا کسی اور کی طرف اپنا نسب منسوب کرے - چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

من ادعیٰ الیٰ غیر ابیہ وھو یعلم انہ غیر ابیہ فالجنۃ علیہ حرام (بخاری، مسلم، ابو داؤد)	"ترجمہ: جس نے اپنے آپ کو اپنے باپ کے سوا کسی اور کا بیٹا کہا درآنحالیکہ وہ جانتا ہو کہ وہ شخص اس کا باپ نہیں ہے اس پر جنت حرام ہے۔"

اس مضمون کی بعض دوسری روایات بھی احادیث میں ملتی ہیں جن میں اس فعل کو سخت گناہ قرار دیا گیا ہے - قرآن کریم کے اس صریح حکم کی تعمیل میں اوّلاً جو اصلاح نافذ ہوئی وہ یہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے حضرت زیدؓ کو زید بن محمدؐ کہنے کے بجائے اُن کے حقیقی باپ کی طرف منسوب کرتے ہوئے زید بن حارثہ کہا جانے لگا - جیساکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں : زید بن حارثہ کو پہلے سب لوگ زید بن محمدؐ کہتے تھے - یہ آیت (الاحزاب - ۴، ۵) نازل ہونے کے بعد اُنہیں زید بن حارثہ کہنے لگے - (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی)

"غیر شرعی اطفال" سے یہاں ہماری مراد "ولد الزنا" ہے - خاندان کی سلامتی و پختگی اور معاشرہ کی فلاح و پاکیزگی کی خاطر اسلام زنا[1] کے مرتکب ہونے والوں کے لئے شدید تحذیر اور عقوبت زاجرہ تجویز کرتا ہے لیکن اس جرم کے ثمر یعنی ولد الزنا کی بقاء اور اس کی پرورش

---

[1] اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا "ترجمہ: زانیہ عورت اور زانی مرد

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے لئے خصوصی احکامات بیان کرتا ہے ۔حضرت عمرؓ نے یہ قانون بنایا تھا کہ ناجائز بچوں کی (اُن بچوں کی جن کے ماں باپ کا سراغ نہ ملے) پرورش اور نگہداشت کی ذمہ دار حکومت ہے ۔اور وہ سرکاری خزانے سے اُن کی تعلیم و تربیت کے مصارف ادا کرے گی تاکہ ماں باپ کے پاپ کا خمیازہ اُن کی معصوم اولاد کو نہ بھگتنا پڑے ، HAMMUDAH ABDALATI اس بارے میں لکھتے ہیں کہ "ایسی صورت میں جب کہ بچہ کا کوئی وارث یا رشتہ دار موجود نہ ہو تو وہ بچہ تمام مسلم معاشرہ کی اجتماعی ذمہ داری بن جاتا ہے ۔اس حکم میں حکام و عوام دونوں مساوی طور پر شامل ہیں " (اسلام اِن فوکس باب ۲ صفحہ ۱۳۰ مطبوعہ مغربی جرمنی) آج بیسویں صدی عیسوی میں یورپ اور امریکہ جیسے ترقی یافتہ ممالک کو بھی ایسا ہی قانون وضع کرنا پڑا جیسا کہ حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں قائم کیا تھا یہ چیز ایک بار پھر قوانینِ اسلامی کے عملی نفاذ کی ضرورت و حقیقت واضح کرتی ہے ۔ حدیث شریف میں ایک واقعہ غامدیہ، جو قبیلہ غامد (جہینہ کی ایک شاخ) کی ایک عورت تھی، کے متعلق ملتا ہے جس میں اُس نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں آکر چار مرتبہ اقرار کیا کہ وہ زنا کی مرتکب ہوئی ہے اور اُسے ناجائز حمل ہے ۔آپ نے اُس سے پہلے اقرار پر فرمایا: ویحک ارجعی فاستغفری الی اللہ وتوبی الیہ (ارے چلی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸)

كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (النور - ۲)	دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو"

ایک حدیث میں حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں :۔

فکان مما انزل اللہ تعالیٰ آیۃ الرجم رجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورجمنا بعدہ فالرجم فی کتاب اللہ حق علی من زنی اذا احصن من الرجال والنساء ....الخ (بخاری ومسلم)	"ترجمہ: اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے (کتاب) نازل فرمائی تھی اس میں سے آیت سنگساری (بھی) تھی ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگسار کیا اور آپ کے بعد ہم نے سنگسار کیا ۔ سنگساری اللہ کی کتاب میں مردوں اور عورتوں میں سے اس شخص پر ثابت ہے جس نے محصن ہو کر زنا کیا ہو"....الخ

جا، اللہ سے معافی مانگ اور توبہ کر، مگر اُس نے کہا: یا رسُول اللہ کیا مجھے ماعز کی طرح ٹالنا چاہتے ہیں، میں زنا سے حاملہ ہوں۔ اس کو چونکہ زنا کے کیساتھ حمل بھی تھا اس لئے آپؐ نے زیادہ جرح نہ فرمائی اور کہا: اچھا نہیں مانتی تو جا، وضع حمل کے بعد آنا۔ وضع حمل کے بعد وہ بچے کو لے کر آئی اور کہا اب مجھے پاک کر دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا: جا اور اس کو دودھ پلا۔ بچہ کے دودھ چھوٹنے کے بعد آیئو۔ پھر وہ دودھ چھڑانے کے بعد آئی اور ساتھ روٹی روٹی کا ایک ٹکڑا بھی لیتی آئی۔ بچے کو روٹی کا ٹکڑا کھلا کر رسُول اللہ کو دکھایا ...... اور کہا یا رسُول اللہ اب اس کا دودھ چھوٹ گیا ہے۔ دیکھئے یہ روٹی کھانے لگا ہے۔ تب آپ نے بچے کو پرورش کے لئے ایک شخص کے حوالے کیا اور غامدیہ کو رجم کئے جانے کا حکم صادر فرمایا۔ اس واقعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام زنا جیسے گناہ کبیرہ سے پیدا ہونے والے بچہ کے ساتھ کوئی معاندانہ انداز اختیار نہیں کرتا بلکہ اُس کی حفاظت و بقا اور پرورش کے لئے پورے مواقع فراہم کرتا ہے۔

اسلام غیر شرعی بچہ کا مقام معاشرہ میں گراتا نہیں اور نہ ہی اُس کے اور عام مسلمانوں کے درمیان کسی قسم کی تفریق پیدا کرتا ہے بلکہ اُنہیں بھی دوسروں کے مساوی اور اُن کا بھائی بتاتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:۔

فَإِنْ لَّمْ تَعْلَمُوٓا آبَآءَهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ (الاحزاب۔۵)

"ترجمہ:۔ پس اگر تمہیں معلوم نہ ہو کہ ان کے باپ کون ہیں تو وہ تمہارے دینی بھائی اور رفیق ہیں"

الماوردی (المتوفی ۴۵۰ھ) نے لقیط (یعنی کسی پڑے ہوئے یا لاوارث بچہ) کی کفالت کا ذکر امر بالمعروف کے واجبات المحتسب میں کیا ہے اور اس کا شمار حقوق اللہ تعالےٰ اور حقوق الآدمیین کے درمیان مشترکاً کیا ہے۔ ویسے بھی کسی لقیط کی کفالت کرنا انسانًا، قانونًا، اخلاقًا اور طفلاً ضروری ہے۔ جو شخص کسی لقیط یا لاوارث کو اُس کی کفالت کے لئے لیتا ہے اُس کے متعلق الماوردی فرماتے ہیں: "ومن أخذ لقيطًا فقصر في كفالته أمره أن يقوم بحقوق التقاطه من التزام كفالته، أو تسليمه إلى من يلتزمها ويقوم بها۔" (الاحکام السلطانیہ ص۲۴۷ طبع ثانی القاہرہ ۱۳۸۶ھ بمطابق ۱۹۶۶ء)

کسی ناجائز یا غیر شرعی بچّہ کو "حرامی" یا "لقیط" جیسے ناپسندیدہ الفاظ سے پکار کر اس کی دل شکنی نہیں کرنی چاہیئے - جوں جوں یہ بچہ بڑا ہوتا جائے اس کے جملہ قانونی حقوق کا تحفظ کرنا بھی ضروری ہے - اُس کے اور دوسرے بچّوں کے درمیان کسی قسم کا فرق پیدا نہ ہونے دینا چاہیئے بلکہ مساوات اور عدل کی راہ اختیار کرنی چاہیئے مزید اُس کو اُس کے نامعلوم والدین کے گناہ کی پوٹ سمجھ کر اُس سے نفرت نہیں کرنی چاہیئے - ان تمام باتوں کی اسلام میں سخت مذمت وممانعت بیان کی گئی ہے -

پانچویں صدی ہجری کے مجتہدِ کبیر امام ابن حزم ناجائز بچوں کے متعلق تصریح فرماتے ہیں :-

وشهادة ولد الزنا جائزة في الزنا وغيره ويلي القضاء وهو كغيره من المسلمين ...... ولا نص في التفريق بينه وبين غيره وهو قول أبي حنيفة والشافعي وأحمد وإسحق وأبي سليمان وهو قول الحسن والشعبي وعطاء بن أبي رباح والزهري وروي عن ابن عباس وروي عن نافع: لا تجوز شهادته وقال مالك والليث يقبل في كل شيء إلا في الزنا - وهذا فرق لا نعرفه احد قبلهما قال الله تعالى (فإن لم تعلموا

"ترجمہ: ولدالزنا کی شہادت زنا اور اس کے علاوہ بھی جائز ہے - وہ قاضی بھی رہ سکتا ہے - وہ دوسرے مسلمانوں کے ہی مثل ہے - ..... اُس کے اور دوسرے مسلمانوں کے درمیان فرق کرنے کی کوئی نص (صریح حکم) موجود نہیں ہے - اس کو کہا امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد، اسحق، ابوسلیمان رحمہم اللہ نے اور یہ بیان کیا حسن وشعبی وعطاء بن ابی رباح اور زہری نے اور یہ روایت کیا ابن عباس سے - اور نافع سے مروی ہے کہ اس کی شہادت جائز نہیں ہے - اور بیان کیا مالک و لیث نے کہ اس کی شہادت قابل قبول ہے سوائے زنا کے اور یہ وہ فرق ہے جسکو ہم ان سے پہلے کسی کے

آباءھم فاخوانکم فی الدین .....) واذا کانوا إخواننا فی الدین فلھم مالنا وعلیھم ما علینا۔
(المحلی لامام ابن حزم)

متعلق نہیں جانتے - اللہ تعالےٰ فرماتا ہے (پس اگر تمہیں معلوم نہ ہو کہ ان کے باپ کون ہیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں .....) اور جب وہ ہمارے دینی بھائی ہیں تو جو چیز ان کے لئے جائز ہے وہ ہمارے لئے بھی ہے اور جو ہمارے لئے ہے وہ ان کے لئے بھی اسی طرح ہے "

اولاد کی تعلیم و تربیّت

راقم الحروف کے والد محترم (جناب مولانا محمد امین الاثری صاحب) اپنی گرانقدر تالیف "تحفۂ حدیث" میں اولاد کی تعلیم و تربیّت کے زیرِ عنوان اس طرح رقمطراز ہیں :-

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ وَلِدَ لَہٗ وَلَدٌ فَلْیُحْسِنْ اِسْمَہٗ وَاَدَبَہٗ فَاِذَا بَلَغَ فَلْیُزَوِّجْہُ فَاِنْ بَلَغَ وَلَمْ یُزَوِّجْہُ فَاَصَابَ اِثْمًا فَاِنَّمَا اِثْمُہٗ عَلٰی اَبِیْہِ
(بیہقی)

" ترجمہ : رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا : جس کسی کے اولاد ہو اس کو چاہیئے کہ بچہ کا بہتر سے بہتر نام رکھے اور اس کی بہترین تعلیم و تربیّت کا انتظام کرے اور جب وہ بالغ ہو جائے اُس کی شادی کا انتظام کرے اگر اس نے جلدی شادی نہیں کی اور وہ کوئی گناہ کر بیٹھا تو اُسکی بازپرس اُس کے باپ سے ہو گی "

اولاد کیا ہے ؟ انسانی نسل کی بقاء اور مستقبل کی آبرو کا نام ہے - اس دُنیا میں یہی وہ قیمتی لال ہے جس کی صحیح تربیّت اور عمدہ پرورش مقصود ہے - اور ہمیشہ سے انسانوں کی توجہ و کوشش کا اوّلین مصرف رہی ہے - کیونکہ دنیا کے مستقبل کی آبرو اس کی اصلاح اور فساد کا دارومدار انہی پر ہے - یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد کی صحیح تعلیم و تربیّت پر خاص توجہ دلائی ہے[1]) ..... "

---

[1] کیونکہ یہ ماں باپ کی غلط تربیّت کا نتیجہ ہی ہوتا ہے کہ ایک بچہ جو پیدائشی طور مسلمان

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

"۔۔۔ ان کو بہتر سے بہتر تعلیم دو کیونکہ بچے صاف اور سفید کاغذ کی طرح ہوتے ہیں ۔ ان میں وہی نقش و نگار ابھریں گے جو والدین ان میں ابھارنے کی اور بھرنے کی کوشش کریں گے ۔ حکم ہے کہ ان کو علم و عمل کے پاکیزہ اصول اور آداب بتائے جائیں ، ان کی پوری دیکھ بھال کی جائے ، لغزش پر ان کو سنبھالا جائے ، بھول اور غلطی پر ان کی رہنمائی کی جائے اور غفلت اور سستی پر انہیں حکیمانہ انداز میں متنبہ کیا جائے ۔ یہی نہیں بلکہ خدا سے ان کے سعادت مند اور نیک ہونے کی دعائیں بھی کی جائیں [1]"

(بقیہ حاشیہ صد ۵۳) ہوتا ہے ، بڑا ہونے پر ایک عیسائی یا یہودی یا کافر بن جاتا ہے ۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ہر بچہ اسلام کے ساتھ پیدا ہوتا ہے یہ اُس کے والدین ہی ہوتے ہیں جو اُس کو ایک یہودی یا ایک عیسائی بنا دیتے ہیں ۔" (صحیح بخاری : ۲۳ : ۷۹)

[1] قرآن کریم میں ایک مومن کی دعا اس طرح بیان فرمائی گئی ہے :۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝ (الفرقان ۔ ۷۴)	" ترجمہ :۔ اور وہ لوگ جو دعائیں مانگا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ! ہمیں اپنی بیویوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے اور ہمیں متقی لوگوں کا امام بنا دے ۔"

اور

قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ (الاحقاف ۔ ۱۵)	" ترجمہ : اس نے کہا اے میرے رب ! مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائیں اور ایسا نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو اور میری اولاد کو بھی نیک بنا کر مجھے سکھ دے ۔ میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور تابع فرمان (مسلم) بندوں میں سے ہوں ۔"

اولاد کی تعلیم و تربیت سے اچھے اخلاق اور کردار کا بڑھنا مقصود ہے۔ جوانی میں اس مقصود کے متاثر ہونے کا ہر وقت خطرہ اور ہر ہر قدم پر اندیشہ ہوتا ہے۔ اس نازک مرحلہ میں بھی اسلام نے اخلاق کی حفاظت کے لئے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اسلام زنا اور بیحیائی کے تمام کاموں کو حرام قرار دیتا ہے اور برائی کو انتہائی نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے وہ جنسی خواہش کی تسکین کے لئے نکاح کا قاعدہ مقرر کرتا ہے اور اپنے اوپر ایمان لانے والے کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اسی قانون کے تحت اپنے فطری تقاضوں کو پورا کریں۔ اسکی اہمیت و نزاکت کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے"۔ وہ قانون کے تحت زندگی گزارنے والوں کو ایمان میں کامل قرار دیتا ہے اور جو لوگ اس قانون کے تحت زندگی گزارنے کے لائق تو ہیں لیکن اس پر ابھی عمل نہیں کرسکے ان کو ایمان میں ناقص بتاتا ہے۔ اولاد کے پرستوں کو ہدایت ہے کہ وہ اولاد میں جوں ہی نکاح کی اہلیت محسوس کریں جلد از جلد ان کے لئے ازدواج کا بندوبست کریں۔ اگر خدانخواستہ وہ اپنی سستی اور غفلت کی وجہ سے انتظام نہ کرسکیں لڑکا اور لڑکی کسی غلط کاری کا شکار ہو جائیں تو نہ صرف وہ مجرم قرار پائیں گے بلکہ ان کے سرپرستوں پر بھی فردِ جرم لگے گی اور ان کے ساتھ یہ بھی پکڑے جائیں گے" (تحفہ حدیث ص ۱۳۸)

اولاد کی پرورش و تربیت میں والدین کا کردار

ایک انسان کو زندگی میں صرف اسی صورت میں کامیاب اور زندگی سے ہم آہنگ کہا جاسکتا ہے جب کہ وہ اپنے حقیقی اعمال اور وظائفِ حیات کے لئے سرگرمِ عمل ہو۔ چونکہ انسانی تعلقات کی ابتداء خاندان سے ہوتی ہے اور پورے خاندان کی فلاح اولاد کی صحیح پرورش و تربیت پر منحصر ہوتی ہے، اس لئے ضروری ہے کہ یہاں مختصر طور پر والدین کے اعمال و وظائف کا جائزہ لیا جائے۔ "خاندان دراصل اس مجموعہ کو کہتے ہیں جو شوہر، بیوی اور بچوں پر مشتمل ہوتا ہے اس کے لئے اسلامی قاعدہ یہ ہے کہ روزی کمانا[1] اور خاندان کی ضروریات مہیا کرنا اور

---

[1] اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ "ترجمہ: مرد عورتوں پر قوّام ہیں"
(النسآء - ۳۴)

اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کرنا مرد کا فرض[۱] ہے اور عورت کا فرض یہ ہے کہ مرد جو کچھ کما کر لائے اس سے وہ گھر کا انتظام کرے[۲]، شوہر اور بچوں کو زیادہ سے زیادہ آسائش بہم پہنچائے اور بچوں کی تربیت کرے۔" (دینیات سیّد مودودی صـ۱۶۴ - صـ۱۶۵ مطبوعہ مغربی جرمنی)

اکثر غریب ممالک میں دیکھا گیا ہے کہ والدین انتہائی قلیل وحقیر مالی منفعت کیلئے بچوں کو کم سنی میں ہی فیکٹریوں (مصانع) میں بھیج کر اُن کی صحت اُن کی نشوونما، ان کے مستقبل اور اُن کی عمر کو تباہ کرتے ہیں[۳]۔ جو عمر ان کے کھیلنے کودنے، اُن کے اعضائے جسمانی کی نشوونما

---

۱ الرَّجلُ راعٍ علیٰ اھلہٖ و ھو مسئولٌ۔ (بخاری باب قوا انفسکم واھلیکم نارًا کتاب النکاح) "ترجمہ: مرد اپنے بیوی بچوں پر حکمران ہے اور اپنی رعیّت میں اپنے عمل پر وہ خدا تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہے۔"

۲ المرأۃ راعیۃ علیٰ بیت زوجھا وھی مسئولۃ" (بخاری باب قوا انفسکم واھلیکم نارًا کتاب النکاح) "ترجمہ:- عورت اپنے شوہر کے گھر کی حکمراں ہے اور وہی اپنی حکومت کے دائرہ میں اپنے عمل کے لئے جواب دہ ہے۔"

۳ ۱۹۷۹ء میں انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن (I.L.O) نے افریقہ، لیٹن امریکہ، ایشیاء اور جنوبی یورپ کے دس[۱۰] ممالک میں اطفال کے ذریعہ کی جانے والی مزدوری کی تفتیش کی۔ اس تفتیش و تحقیق کے بعد جو رپورٹ پیش کی گئی اس میں کہا گیا تھا:۔ "۱۹۷۳ء کے (I.L.O) کنونشن میں مزدوری کی کم سے کم عمر پندرہ[۱۵] سال مقرر کی گئی تھی اس وقت پندرہ[۱۵] ممالک میں اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ۱۵ سال سے کم مزدوروں کی تعداد پچپن ملین (یعنی پانچ کروڑ پچاس لاکھ) سے زیادہ ہے۔ چونکہ زیادہ تر بچے غیر قانونی طریقے پر کام کر رہے ہیں اس لئے اُن کی اصل تعداد اس تخمینہ سے کہیں زیادہ تصور کی جاتی ہے۔ رپورٹ میں مزید کہا گیا ہے کہ اکثر حالات میں جو بچے مزدوری کرتے ہیں وہ یا تو نظر انداز حد تک خفیف اُجرت پاتے ہیں یا پھر مفت ہی کام کرتے ہیں۔ رپورٹ میں کچھ خوفناک و قابلِ رحم مثالیں بھی پیش کی گئی ہیں۔ مثلاً ہندوستان کے ماچس کے کئی مصانع میں بیس ہزار سے زیادہ بچے ملازمت کرتے ہیں جن میں ۵ سال جیسے کم عمر بھی شامل ہیں۔ یہ بچے سولہ[۱۶] گھنٹے یومیہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور اُن کی تعلیم و تربیت حاصل کرنے کی ہوتی ہے وہ مشینوں اور کارخانوں کی زہریلی

(بقیہ حاشیہ صـ۵۵) پُر مشقت ڈیوٹی کرتے ہیں جو رات تین۳ بجے سے شروع ہوتی ہے۔ کولمبیا میں تین ملین (بیس۲ لاکھ) بچے کام کرتے ہیں جن میں سے اکثر ایسے ہیں جو تازہ ہوا کی کمی کے ماحول اور پُرخطر کوئلے کی کانوں میں کام کرنے پر مجبور ہیں۔ تائیوان کے کھلونے بنانے والے ۱۲ سے ۱۵ سالہ بچوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور ہانگ کانگ کے جیبی کیلکولیٹر بنانے والے چودہ۱۴ سال سے کم نازک انگلیوں والی لڑکیوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ ایسی بہت سی لڑکیاں کام کے دوران حادثات میں اپنی انگلیوں سے محروم ہو چکی ہیں۔ مراکش کی اکثر قالین کی ملوں میں تیرہ۱۳ سال سے کم لڑکیاں بلا اُجرت کام اس لئے کرتی ہیں کہ اُن کو مفت تربیت دی جا رہی ہے۔ چونکہ مراکش کا ملکی قانون تیرہ۱۳ سال یا اس سے زیادہ عمر کے ملازم کو اُجرت کا حق بخشتا ہے اِس لئے عام طور پر قالین کی ملوں والے اس عمر کے پہنچنے سے قبل ہی ہٹا کر اُن کی جگہ دوسری کم عمر لڑکیوں کو رکھ لیتے ہیں۔

یورپ کے کچھ بہت زیادہ ترقی یافتہ ممالک بھی بچوں سے مزدوری کرا کر اُن کا استحصال کرتے ہیں۔ اِٹلی کے جوتا بنانے والے گھریلو مصانع (کوٹیج انڈسٹریز) بچوں سے فاقہ کشی کی حد تک قلیل اُجرت پر کام لیتے ہیں۔ یونان میں بچوں کی ملازمت میں بیس۲۰ فیصد اضافہ ہوا۔ مستقبل میں اس تعداد میں مزید اضافہ کی توقع کی جاتی ہے۔" (انگریزی مجلہ "ٹائم" مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۹۷۹ء ج ۱۱۴ شمارہ ۱۱ صـ۱۷)

نظامِ اشتراکیت میں بھی بچوں کا استحصال ایک مسلّمہ حقیقت ہے چنانچہ جناب خورشید احمد صاحب اس پر اس طرح تبصرہ فرماتے ہیں:۔

"بچوں کی محنت گو قانوناً ممنوع ہے۔ اور یہ ممانعت زار کے زمانے سے ہے۔ ۱۸۸۲ اور ۱۸۸۵ء کے قوانین کے ذریعے بچوں کی محنت کو روک دیا گیا تھا۔ لیکن پیداوار کو بڑھانے اور منصوبے کو پورا کرنے کے لئے اس سے بھی گریز نہیں کیا جاتا۔ نوجوانوں کے لئے سرکاری ترجمان "KOMSOMOLSKAYA PRAVDA" نے اپنی ۱۴ اگست ۱۹۳۵ء کی اشاعت میں اس کا اعتراف کیا کہ بارہ۱۲ اور چودہ۱۴ سال کے بچے بارہ۱۲ اور سولہ۱۶ گھنٹے یومیہ تک کھیتوں پر کام کرتے ہیں۔ پرچے میں اس نوعیت کے متعدد

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فضاء میں گذر جاتی ہے۔ اسلام ان معصوموں پر کیئے جانے والے اس طرح کے کسی ظلم کو قطعی پسند نہیں کرتا بلکہ سرپرستوں کو ہدایت کرتا ہے کہ اپنی اولاد کو حسب استطاعت بہتر کھانا، اچھا لباس، عمدہ رہائش اور بہتر علم و ہنر کے مواقع فراہم کریں۔ معاش و دیگر ضروریاتِ زندگی تمام فکروں سے انہیں آزاد رکھیں۔ اور اپنی خودغرضی یا مفاد کیلئے کسی طرح اُن کو استعمال نہ کریں۔

بلاشبہ اسلام میں اولاد کی اچھی پرورشِ و تربیت مطلوب ہے اسی باعث اسلام اِس امر کا تقاضہ کرتا ہے کہ شادی کے وقت ایسی بیوی کا انتخاب کرو جو دین و شریعت، اخلاق و آداب سے اچھی طرح واقف اور باوصف و اعلیٰ کردار کی حامل ہوتاکہ اولاد کی پرورش و تربیت میں اپنے اعمالِ حسنہ و خوئی اخلاق و بلندیٔ اوصاف و کردار سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکے نہ کہ وراثت میں اپنے جسمانی و اخلاقی امراض اپنے بچوں میں منتقل کردے۔ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے: "تخیروا لنطفکم فإن العرق دساس" اور "فاختر ذات الدین تربت یداك"

بچوں کی تربیت و پرورش کے متعلق والدین کا ایک غلط رویہ اکثر دیکھنے میں آیا ہے یعنی یہ کہ وہ اپنے چھوٹے سے بچے کو ایک ننھا سا آمرِ مطلق بنا کر رکھتے ہیں جو صرف حکم دینا اور اطاعت کرانا جانتا ہے۔ اُن کی محبت اتنی اندھی ہوتی ہے کہ اپنے بچے کے لایعنی مطالبات اور خواہشات پر وہ کوئی معقول پابندی لگا ہی نہیں سکتے بلکہ اس کی ہر فضول اور نامعقول خواہش کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس حد سے بڑھے ہوئے لاڈ پیار کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسا بچہ جب جوان ہوتا ہے تو وہ اپنی خواہشاتِ نفس کا بے بس

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۶) واقعات بیان کیئے گئے ہیں۔ ایسی مثالیں بھی دی گئی ہیں جن میں بارہ۱۲ بارہ۱۲ سال کے بچوں نے تین۳ تین۳ دن لگاتار کام کیا ہے اور پھر بے ہوش پڑ گئے ہیں۔ روسی اخبارات کے حوالے سے اس قسم کی متعدد مثالیں رانیا گورڈن نے اپنی کتاب "WORKERS BEFORE AND AFTER LENIN" میں بھی نقل کی ہیں۔ (سوشلزم یا اسلام مؤلفہ خورشید احمد صفحہ ۸۸ و صفحہ ۸۹)

لہ اذا جاءکم من ترضون خلقه ودینه فزوجوه۔ (حدیث)

غلام ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ دوسرے لوگ بلا چون وچرا اس کے ہر حکم کو بجا لائیں۔ لیکن عملی زندگی میں جب اُس کی یہ خواہش پوری نہیں ہوتی تو وہ جھنجھلا جاتا ہے اور اپنی اس جھنجھلاہٹ کا بدلہ اپنے اردگرد کے لوگوں، مردوں عورتوں اور بچوں سے لیتا ہے۔ اور انہیں اپنے غصّہ کا نشانہ بناتا ہے۔ اس لئے بچہ کی تربیت کے دوران اس غلط رویہ سے گریز کرنا چاہیئے۔

بعض متموّل گھرانوں میں بچوں کو "آیا" کے حوالہ کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ اُن کی پرورش وتربیت کے فرائض انجام دیں۔ اس طرح ماں باپ ان کی نگہداشت اور پرورش کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو کر آزادانہ اپنے مشاغل وتفریحات میں مصروف ہو جاتے ہیں اور کبھی مڑکر بھی نہیں دیکھتے کہ کس طرح اُن کی پرورش ہو رہی ہے یا اُن کے بچے کس روش پر چل رہے ہیں۔ اُن کو اتنی فرصت ہی کہا ہوتی ہے کہ اِن نونہالوں کی کچھ فکر کریں۔ بچہ کے اس غیر فطری انداز پرورش نے معاشرہ پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بچے ماں باپ کی محبت اور اُن کے فرائض وحقوق سے قطعًا ناآشنا ہوتے ہیں۔ اسی باعث بڑے ہونے پر نہ اُن کی نگاہ میں والدین کی کوئی عزت و منزلت ہوتی ہے نہ اُن کے لئے تکریم واحترام۔ امریکہ ویورپ جیسے ترقی یافتہ ممالک کے نوجوانوں میں آج جو بے راہ روی، بد اخلاقی وجرائم پائے جاتے ہیں وہ اِنہی آیا کی ناقص پرورش وتربیت اور والدین کی غفلت و بُعد کا نتیجہ ہیں۔ آیا سے کسی بچہ کی پرورش وتربیت کے لئے ویسا ایثار وقربانی، ویسا خلوص اور ویسی خود فراموشی ہرگز متوقع نہیں جو ایک ماں کی شان ہے۔ مشہور قول ہے کہ بچہ کی ابتدائی اور مؤثر ترین درسگاہ ماں کی گود ہوتی ہے لیکن جن بچوں کی قسمت میں آیا کی پرورش ہوتی ہے وہ اس درسگاہ کے فیضان سے محرُوم رہتے ہیں۔

ظاہر ہے کوئی بھی معقول انسان انسانیّت کی ماں کی حیثیت سے عورت کے کردار کی عظمت کا انکار نہیں کر سکتا۔ اس کی تربیت ہی سے دنیا کو اچھے اور صالح شہری نصیب ہوتے ہیں۔ ماں سے محرُوم انسانی نسلیں اور انہیں ماں کی اس محبّت وشفقت کا نہ ملنا جو نفس انسانی کی برائیوں کا مداوا بنتا ہے انسانیّت کے لئے ایک بہت بڑے خطرے کا لازمہ ہے۔ ماں کی یہ محبّت انسانیّت کو صرف ان ماؤں کی گود ہی میں مل سکتی ہے جنہوں نے اپنا سب کچھ اِس مقدّس فریضہ کی بجا آوری کے لئے وقف کر رکھا ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ ماں

کی مامتا، اس کے پاکیزہ جذبات، علی کردار، مصائب و شدائد کے ہجوم میں اس کا صبر و استقامت، ہمدردی اور کارکردگی کا یہ نقطۂ کمال اس مخصوص طبعی مزاج کی غیر موجودگی میں ممکن ہی نہیں ہے جو عورت کو اپنے اصل وظائف —— حمل اور رضاعت —— پرورش و تعلیم اور تربیت —— انجام دینے کے قابل بناتا ہے۔ اور جس کی وجہ سے اس کے نفسی ذہنی اور اعصابی نظام کی ایک مخصوص صورت بنتی ہے۔ عورت کی یہ ذہنی، نفسی، عصبی اور طبعی خصوصیات پہلو بہ پہلو پائی جاتی ہیں اور یہ نہ صرف ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں بلکہ ان میں باہم ربط اور ہم آہنگی بھی ملتی ہے۔ اسی لئے سوائے انتہائی استثنائی صورتوں کے یہ ممکن ہی نہیں کہ ان میں سے کوئی خصوصیت دوسری خصوصیات کی عدم موجودگی میں پائی جائے۔

جذبات کی لطافت وجدان کی نزاکت اور زود حسی سے جو ایک عورت کی خصوصیات ہیں ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کا خمیر بنیادی طور پر عقل سے نہیں بلکہ جذبات سے اٹھایا گیا ہے۔ اس کی یہی جذباتیت مامتا کی زندہ اور دائمی صفات کا سرچشمہ ہے۔ کیونکہ بچے کی پرورش کے لئے جن صلاحیتوں کی ضرورت ہے وہ عقلی نہیں ہیں بلکہ اس کے لئے تیز و تند جذبات کی ضرورت ہے جو عورت کو ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچنے ہی نہیں دیتے اور اس کو بچے کی ضروریات کے تقاضے پر فوراً اور بلا کسی تاخیر اور سستی کے لبیک کہنے پر آمادہ کرتے ہیں۔ ماں کے اوپر بچہ کے یہ تمام حقوق مسلّم ہیں لہٰذا اس کو بلا عذر کسی آیا کے حوالہ کرنا اس کے حقوق کو پامال کرنے کے مترادف ہے۔ زندگی میں عورت کا صحیح کردار یہ ہے۔ یہ کردار اس کے وظائف حیات کی انجام دہی میں اس کی مدد کرتا ہے اور اس کے تخلیقی مقصد کے حصول کو ممکن بناتا ہے۔ اسی باعث پروفیسر کیرل جوڈ (PROF-CYRIL JOAD) یہ کہنے پر مجبور ہوگئے کہ: "اگر قدرے معیارِ زندگی پست کرنے سے عورتیں محض اپنی گرہستی اور بچوں کی نگہداشت کے لئے وقف ہوں تو مجھے یقین ہے کہ دنیا ایک خوشگوار جگہ بن جائے گی۔" (ویلائیٹی مورخہ یکم دسمبر ۱۹۵۲ء)[1]

(جاری ہے)

---

[1] مزید تفصیل کے لئے کتاب "شبہات حول الاسلام" مؤلفہ محمد قطب، "پردہ" مؤلفہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ملاحظہ فرمائیں۔

بلاسود بینکاری پر رپورٹ

از : اسلامی نظریاتی کونسل

خدا خدا کر کے اسلامی نظریاتی کونسل کی جانب سے بلاسود بینکاری پر اس کی مرتب شدہ رپورٹ سائیکلو اسٹائل صورت میں شائع ہو چکی ہے جس کی ایک کاپی ہمیں بھی موصول ہوئی تھی اور ساتھ ہی لکھا گیا تھا کہ اگر ممکن ہو تو اس کے چیدہ چیدہ حصے شائع کر دیئے جائیں۔ ملک کے اقتصادی و معاشی بالخصوص بینک کاری کے نظام کو سود کی لعنت سے پاک کرنا انتہائی کٹھن کام ہے۔ اس رپورٹ میں جو لائحہ عمل تجویز کیا گیا ہے اس پر خالص اسلامی نقطہ نظر سے کلام کی بڑی گنجائش ہے۔ اس میں متعدد خامیاں ہیں۔ تاہم اس اقدام سے یہ امید ہو چلی ہے کہ کونسل ملک کے ان علمائے کرام اور ماہران معاشیات کی آراء سے ہر ممکن استفادے کی کوشش کرے گی جو اسلامی فقہ اور موجودہ اقتصادی نظام پر گہری بصیرت رکھتے ہیں۔ اس رپورٹ کا "حرف آغاز" اور "تعارف" میثاق میں شائع کیا جا رہا ہے۔ جس سے اس مسئلہ کی اہمیت اور وسعت کا اندازہ لگایا سکتا ہے توقع ہے کہ کونسل اس رپورٹ پر مطمئن ہو کر بیٹھ نہیں رہے گی بلکہ اس سلسلہ تحقیق اور غور و فکر کے کام کو مسلسل آگے بڑھاتی رہے گی (مرتب)

حرفِ آغاز

تحریم ربوٰ کے بارے میں قرآن مجید کے قطعی اور انتہائی سخت احکام کے پیش نظر ہر اسلامی حکومت کا یہ بنیادی فریضہ ہے کہ وہ اپنی حیات اقتصادی کے ہر دائرے اور معاشی زندگی کے ہر پہلو سے ربوٰ کے لین دین کو، اس کی ہر شکل و صورت میں بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکے۔

آئین پاکستان ۱۹۷۳ء کے آرٹیکل نمبر ۲۲۷ میں یہ بات طے کر دی گئی ہے کہ اس وقت ملک میں جو قوانین نافذ و رائج ہیں انہیں بدل کر قرآن مجید اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و تعلیمات کے مطابق ایسے قوانین وضع اور جاری کئے جائیں گے جو

ہماری، تاریخی، تہذیبی اور ثقافتی روایات سے ہم آہنگ ہونے کے ساتھ جدید دور کے ہرآن تغیر پذیر مادی تقاضے بھی بحسن وخوبی پورے کرتے ہوں۔ اور آرٹیکل نمبر۳۱ میں کہا گیا ہے کہ ملک کے اندر حکومت کی جانب سے ایسے سازگار حالات پیدا کیے جانے چاہئیں اور ایسے تعمیری اقدامات بروئے کار آنے چاہئیں جو اہل پاکستان کو یہ موقع مہیا کریں کہ وہ اپنی زندگی کے تمام انفرادی اور اجتماعی دائروں میں اپنا طرز عمل اسلام کے بنیادی اصولوں اور آفاقی تصورات کے مطابق تبدیل کر سکیں۔

اُمت مسلمہ کے تمام مکاتب فکر کا اس رائے پر اجماع ہے کہ قرآن مجید کی اصطلاح ربوٰ سود کی ہر شکل وصورت اور نوعیت پر حاوی ہے۔ چنانچہ پیداواری مقاصد کے لئے دیئے گئے قرضوں پر سود لینا بھی ایسا ہی حرام ہے جیسا گھریلو مصارف کے قرضوں پر۔ یہی وجہ ہے کہ آئین پاکستان کے آرٹیکل نمبر۳۸ میں، جو حکمت عملی کے بنیادی اصولوں سے تعلق رکھتا ہے، اس بات کو ریاست کی منصبی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے کہ وہ، جتنی جلدی ممکن ہو سکے، ملک کی اقتصادیات کو سود کے لین دین سے بالکل پاک کر دے۔

لیکن یہ حقیقت بڑی افسوس ناک ہے کہ مسئلے کی اس اہمیت کے باوجود قیام پاکستان کے بعد تیس سال تک استیصال سود کے لئے کوئی قابل ذکر کوشش نہیں کی گئی۔ اس سلسلے میں اولین عملی اقدام کا شرف صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق کو حاصل ہوا۔ انہوں نے ۱۹۷۷ء میں حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لیتے ہی جہاں اور بہت سے اصلاحی اقدامات کیے وہاں انسداد سود کے لئے خصوصیت سے، ۲۹ ستمبر ۱۹۷۷ء کو، اسلامی نظریاتی کونسل سے کہا کہ وہ قرآن وسنت کے پیش کردہ معاشی اصولوں کی روشنی میں ایک ایسا اقتصادی ڈھانچا تیار کرے جو سود کی آمیزش سے پاک ہونے کے ساتھ ساتھ پاکستان کی ترقی پذیر معیشت کے لئے موجب استحکام اور باعث ترقی وترفع ہو۔ صدر محترم نے ۱۲۔ ربیع الاول ۱۳۹۹ ہجری کو قوم سے خطاب کرتے ہوئے اس کام کے لئے تین سال کی مدت مقرر کی اور اعلان فرمادیا کہ اس کے بعد قومی معاشیات سے سود کا لین دین بالکل ختم کر دیا جائے گا۔

انسداد سود کے مسئلے سے صدر محترم کی دلچسپی صرف اسی حد تک نہ رہی بلکہ وہ اس سلسلے میں کونسل کے کام اور اس کی رفتار ترقی سے مسلسل آگاہی حاصل کرتے رہے

انہوں نے کونسل کی پیش کردہ سفارشات نافذ کرنے کے لئے بروقت ضروری احکامات صادر فرمائے - چنانچہ کونسل کی تجویز کے مطابق ملک میں زکواۃ و عشر کا نظام رائج ہو چکا ہے اور حکومت کے قائم کردہ مختلف مالی اداروں مثلاً این آئی ٹی، آئی سی پی اور ایچ بی ایف سی کے لین دین سے سود کا عنصر بالکل ختم کر دیا گیا ہے -

ملک کے اقتصادی اور مالی نظام کو سُود سے پاک کر کے اسے اسلامی احکام و تعلیمات کے مطابق از سر نو مرتب و منظم کرنے کا جو اہم فریضہ اسلامی نظریاتی کونسل کے سپرد ہوا تھا اسے بحُسن و خُوبی انجام دینے کے لئے ضروری تھا کہ کونسل کو علمائے دین کے علاوہ جدید اقتصادیات کے ماہروں اور تجربہ کار بنک کاروں کا تعاون بھی حاصل ہو - چنانچہ کونسل نے نومبر ۱۹۷۷ء میں ملک کے نامور ماہرین اقتصادیات و بنک کاری پر مشتمل ایک پینل قائم کیا جس نے اپنی رپورٹ فروری ۱۹۸۰ء میں کونسل کے سامنے پیش کی - کونسل کے متعدد اجلاسوں میں اس رپورٹ کے تمام پہلوؤں کا دقتِ نظر سے تفصیلی جائزہ لیا گیا اور جہاں ضرورت محسوس ہوئی مناسب اصلاح و ترمیم کے علاوہ ضروری حذف و اضافہ سے بھی کام لیا گیا - مقصد یہ تھا کہ کونسل کی پیش کردہ رپورٹ ہر پہلو سے شرعی احکام کے مطابق اور اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ ہو - اس طرح مکمل غور و خوض اور نوک پلک سنوارنے کے بعد کونسل کے اجلاس ۱۵- جون ۱۹۸۰ء منعقدہ کراچی میں اس رپورٹ کو آخری شکل دی گئی -

جیسا کہ سطور بالا میں عرض کیا گیا، استیصال سود سے متعلق کونسل کی زیر نظر رپورٹ اپنے موضوع پر دنیا بھر میں سب سے پہلی کوشش ہے جس کی تیاری میں نہ صرف صاحب بصیرت علمائے دین بلکہ جدید اقتصادیات و بنک کاری کے پیچیدہ علمی اور فنی مسائل کا گہرا شعور و ادراک رکھنے والے اہل نظر حضرات کا وسیع تجربہ بھی شامل ہے -

الحمد للہ آج کونسل کو یہ سعادت حاصل ہو رہی ہے کہ وہ اپنی اس اہم تاریخی دستاویز کو پورے عجز اور انکسار کے ساتھ پاکستان کے بالغ نظر عوام کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے اپنے خالق و مالک کے حضور گہرے جذبات تشکر و امتنان کے ساتھ سجدہ ریز ہو کہ صرف اسی کی توفیق و تائید سے یہ مشکل کام تکمیل پذیر ہو سکا -

استیصال سود کے موضوع پر کونسل کی زیر نظر رپورٹ "تعارف" کے علاوہ پانچ ابواب اور ایک اختتامیہ پر مشتمل ہے جس میں کونسل کے اخذ کردہ نتائج اور اس کی سفارشات کا

خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔

رپورٹ کے تعارفی باب میں اس امر پر بحث کی گئی ہے کہ وہ کون سے عقلی و نقلی دلائل اور حکمتیں ہیں جن کی بنیاد پر اسلام نے سود کو حرام قرار دیا ہے۔ اور اس کا پہلا باب جس کا عنوان "مسائل، مشکلات اور ان کے حل کے طریقے" ہے، اس بحث پر مشتمل ہے کہ ملکی اقتصادیات کو نفع نقصان میں شرکت کی بنیاد پر کس طرح استوار کیا جا سکتا ہے اور وہ کون سی عملی مشکلات ہیں جو اس راہ میں حائل ہو سکتی ہیں۔ نیز یہ کہ اس ذریعے کے علاوہ اور کونسی ایسی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ جن کے ذریعے سودی نظام کو تبدیل کیا جا سکے۔ اس باب میں ان اقدامات اور تحفظات پر بھی گفتگو کی گئی ہے جن میں نئے نظام کی کامیابی کے لئے ہماری معاشی زندگی میں بروئے کار آنا چاہیئے۔

دوسرے باب میں بڑی تفصیل کے ساتھ ان طریقوں پر بحث کی گئی ہے۔ جن کے ذریعے تجارتی بنکوں کے لین دین سے سود کا عنصر ختم کیا جا سکتا ہے۔ اور اسی باب میں بنکوں کی رہنمائی کے لئے وہ اصول درج کئے گئے ہیں جن کی روشنی میں ان کے لئے یہ ممکن ہوگا کہ وہ زندگی کے مختلف شعبوں مثلاً صنعت، تجارت، زراعت، تعمیرات اور نقل و حمل وغیرہ میں اپنی سرمایہ کاری اور مالی لین دین کو سود سے پاک بنیادوں پر از سر نو استوار کر سکیں۔ بینکوں میں رکھی جانے والی امانات کے لئے کونسل نے ایک نیا نظام تجویز کیا ہے۔ جس کے تحت، بچت کھاتوں اور میعادی امانتوں پر، ایک عبوری دور کے بعد کسی مقررہ شرح سے سود کے بجائے بنک کی آمدنی میں سے حصہ ملے گا جس کی مقدار بنک کو حاصل ہونے والی آمدنی کے مطابق کبھی زیادہ اور کبھی کم ہوگی لیکن ان شاء اللہ کھاتہ داروں کو سود کے مقابلے میں زیادہ نفع حاصل ہوگا۔

تیسرے باب میں خصوصی نوعیت کے مالیاتی اداروں کے لین دین سے خاتمہ سود کے وسائل و ذرائع پر گفتگو کی گئی ہے۔ اور چوتھا باب سود سے پاک اقتصادی نظام میں مرکزی بنک کاری اور زری پالیسی کے مختلف مسائل زیر بحث لاتا ہے۔ اس باب میں سفارش کی گئی ہے کہ سود سے پاک نظام میں وسائل پیداوار کی تخصیص و تعیین کے عمل کو منضبط کرنے کے لئے ضروری ہے کہ سٹیٹ بنک کی جانب سے تجارتی بنکوں اور مالیاتی اداروں کو جو امدادی رقمیں مہیا کی جائیں ان کے منافع میں شرکت کی شرح

مقرر کرنے کا اختیار سٹیٹ بنک کو حاصل ہو۔ اس طرح تجارتی بنک اور مالیاتی ادارے دیگر ضرورت مندوں کو جو مالی امداد دیں اس کی شرح منافع کی تعیین کا حق بھی سٹیٹ بنک ہی کو ملنا چاہیئے۔

رپورٹ کے آخری باب میں سرکاری لین دین سے استیصال سود کے مسائل زیرِ غور آئے ہیں۔ اس میں کہا گیا ہے کہ ملک سے سودی نظام ختم ہو جانے کے بعد حکومت کے لئے یہ ممکن نہ ہو گا کہ وہ مالیاتی اداروں یا عوام سے سود کی بنیاد پر قرضے حاصل کرے۔ لہٰذا حکومت کو اپنی مالی ضروریات پوری کرنے کے لئے بیشتر صورتوں میں سٹیٹ بنک سے بغیر سود کے قرضے لینے پڑیں گے۔ چنانچہ ایسے اقدامات کئے جانے چاہئیں جن کے ذریعے مرکزی بنک کے سرمائے کی ملکی اقتصادیات میں آمیزش اور گردش کو مناسب حدود کے اندر رکھا جا سکے۔

جہاں تک بیرونی امداد کا تعلق ہے، حکومت کے لئے فی الحال اس کے سوا چارہ نہیں کہ وہ سود کی بنیاد پر غیر ممالک سے قرضے لیتی رہے۔ تاہم کونسل کی رائے ہے کہ ملکی اقتصادیات کو ایسی بنیادوں پر استوار کیا جانا چاہیئے کہ ہر قسم کی بیرونی مالی امداد، خصوصاً سودی قرضوں پر انحصار کو رفتہ رفتہ کم کیا جا سکے۔ اس کے علاوہ مسلم ممالک کے درمیان اقتصادی تعاون میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کے لئے بھرپور کوششیں بروئے کار آنی چاہئیں تاکہ نفع نقصان میں شرکت یا سود سے پاک دوسری تعمیری بنیادوں پر کاروباری سرگرمیوں میں وسعت کے ذریعے سرمائے کی گردش اور نقل و حرکت کے عمل کو بیش از بیش پھیلایا جا سکے۔ اگر مسلم ممالک کے درمیان اس قسم کے ترقی پذیر اقتصادی تعاون کی مطلوبہ سطح حاصل کر لی گئی تو امید ہے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ امداد دینے والے غیر مسلم ممالک اور بین الاقوامی مالیاتی ادارے بھی مسلم ممالک کے ساتھ لین دین کے ایسے طریقے اپنا لیں گے جو احکام شریعت سے مطابقت رکھتے ہوں۔

کونسل کی تجویز ہے کہ حکومت کو اس رپورٹ کی روشنی میں، دسمبر ۱۹۸۰ء کے آخر تک، ایک ایسا عملی نقشۂ کار تیار کرنا چاہیئے جس کے ذریعے ملک میں سودی لین دین کو ختم کر کے نیا نظام جاری کیا جا سکے۔ مزید برآں ایسے ورکنگ گروپ تشکیل دیئے جانے چاہئیں جو بنکوں اور مالی امور سے متعلق جملہ قوانین اور قواعد و ضوابط میں ضروری تبدیلیاں

اور اصلاح وترامیم کی سفارش کر سکیں تاکہ مجوزہ نظام عمدگی اور پوری کامیابی کے ساتھ نافذ کیا جا سکے۔ اس کے علاوہ بنکوں کی انتظامیہ اور عملے کے ارکان کو سرمایہ کاری اور لین دین کے نئے طریقوں سے آگاہ کرنے نیز انہیں نئے نظام کی کامیابی کے لئے مشنری جوش و جذبہ بروئے کار لانے پر ابھارنے کے لئے ضروری اقدامات کئے جانے لازمی ہیں۔

رپورٹ میں اُمید ظاہر کی گئی ہے کہ حکومت پاکستان استیصال سود سے متعلق کونسل کی پیش کردہ اس رپورٹ کو قومی پالیسی کے ایک لازمی عنصر کی حیثیت سے قبول کرے گی اور اس کے عملی نفاذ کے لئے بلا تاخیر تمام ضروری اقدامات بروئے کار لائے جائیں گے۔

اگرچہ کونسل کی رائے یہ ہے کہ اسلام کے اقتصادی نظام میں سودی لین دین کا مثالی نعم البدل نفع نقصان میں شرکت یا قرض حسنہ کی بنیاد پر سرمایہ کی فراہمی ہے، لیکن ان مشکلات کے پیش نظر جو ان مثالی طریقوں کے فوری اور سختی کے ساتھ رواج سے ہماری اقتصادی زندگی کے بعض دوائر میں پیش آسکتی ہیں، کونسل نے ماہرین اقتصادیات و بنک کاری کی اس تجویز سے اتفاق کیا ہے کہ سود سے پاک مجوزہ نظام بنک کاری میں بعض دوسرے طریقے مثلاً پٹہ داری، ملکیتی کرایہ داری، بیع مؤجل، سرمایہ کاری بذریعہ نیلام کاری اور عمومی شرح منافع پر، اس واضح شرط کے ساتھ سرمایہ کاری کہ حقیقی نفع نقصان معلوم ہو جانے پر لین دین بیباق کیا جائے گا، بھی زیر استعمال رہیں گے۔ تاہم کونسل نے اس خطرے کے پیش نظر کہ مبادا یہ دوسرے طریقے سودی لین دین کے از سر نو رواج کیلئے چور دروازے کے طور پر استعمال ہوں اس امر پر زور دیا ہے کہ یہ فیصلہ پالیسی کے طور پر ہو جانا چاہیئے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نفع نقصان میں شرکت یا قرض حسنہ کی صورت میں سرمایہ کاری کے رواج کو بتدریج وسعت دی جائے گی اور یہ تمام دوسرے متبادل طریقے بالآخر ختم کر دیئے جائیں گے۔

کونسل نے اس امر کی جانب بھی اشارہ کیا ہے کہ ملک کے اقتصادی نظام سے سودی لین دین کا خاتمہ اسلام کے مجموعی نظام اقدار کا بس ایک حصہ ہے اور صرف اس اقدام سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ ہمارا پورا معاشی ڈھانچا اسلامی تصورات کی بنیادوں پر استوار ہو جائے گا۔ لہذا یہ امر لازمی ہے کہ تعمیر اخلاق و کردار اور زندگی کی صحیح قدروں کے استیصال جیسے اصلاحی اقدامات کی ضرورت و اہمیت عوام پر واضح کی جائے۔

کونسل نے ملک کے مجموعی نظام محاصل کا از سر نو تنقیدی جائزہ لینے کے علاوہ حسابات کی جانچ پڑتال کے مروجہ طریقوں کی مکمل اصلاح کی بھی تجویز پیش کی ہے ۔ تاکہ سود سے پاک نظام بنک کاری یقینی طور پر کامیاب ہو سکے ۔

کونسل ان مشکلات سے اچھی طرح آگاہ ہے جو بین الاقوامی تجارت اور بیرونی امدادی رقوم کے لین دین سے سود کا عنصر ختم کرنے کے سلسلے میں پیش آسکتی ہیں ۔ چنانچہ اس نے سفارش کی ہے کہ ابتدائی طور پر ہمارا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ اندرون ملک تجارتی لین دین سود سے پاک ہو جائے ۔ اس سلسلے میں کونسل نے تین مرحلوں پر مشتمل ایک عملی نقشہ کار تجویز کیا ہے جس کی غرض و غایت دسمبر ۱۹۸۱ء تک اندرون ملک تجارتی لین دین سے استیصال کرنا ہے ۔ کونسل نے ماڈل بنکوں کے قیام یا موجودہ تجارتی بنکوں میں سود سے پاک علیحدہ کاؤنٹر کھولنے کی شدید مخالفت کی ہے کیونکہ اس کی رائے میں اس طرح کے اقدامات سودی نظام کی بقا و دوام میں ممد و معاون ثابت ہوں گے اور ملک میں سود سے پاک نظام بنک کاری کے قیام کی تمام کوششیں ناکام ہو کر رہ جائیں گی ۔

نہ دنیا میں کوئی چیز مکمل ہے نہ یہاں کسی علمی کوشش کو حرف آخر کا درجہ دیا جا سکتا ہے ، خصوصاً مغرب کے مادہ پرست معاشرے میں ارتقاء یافتہ جدید مالی اقتصادی تصورات اور عملی طور طریقوں کو ، جو ، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ، ایک وسیع اور انتہائی پیچیدہ نظام کی شکل اختیار کر چکے ہیں ، اِن کی صدیوں سے قائم مضبوط بنیادوں سے ہٹا کر اسلامی احکام و ضوابط کی روشنی میں از سر نو مرتب کرنا ایک ایسا مشکل فریضہ تھا جسے اپنے ذمہ لے لینا ہی جرأت رندانہ کا متقاضی تھا ۔ الحمدللہ کونسل نے یہ فریضہ اپنی بساط کے مطابق بہترین صورت میں انجام دیا ۔ اگر یہ رپورٹ اسلامی ممالک ، خصوصاً پاکستان کے اقتصادی نظام کو سودی عناصر سے پاک کرنے کی راہیں ہموار کر سکی تو سمجھا جائے گا ، کونسل کی کوششیں رائیگاں نہیں گئیں ۔

(جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن)

چیئرمین

اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان

تعارف

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ جب تک کسی ملک کی اقتصادیات میں سودی لین دین کا رواج موجود ہے، وہاں اسلامی نظامِ زندگی قائم نہیں ہوسکتا۔ قرآن مجید کی آیات اور احادیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں سود کی مذمّت جن الفاظ اور جس شدّ و مد کے ساتھ کی گئی ہے، اس سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ اسلام کی نظر میں سود اتنی بڑی اقتصادی اور معاشرتی بُرائی ہے کہ اسے کسی صورت میں برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ چونکہ پاکستان ایک نظریاتی ریاست ہے اور دستور میں بھی یہ بات طے کر دی گئی ہے کہ سود کا خاتمہ ریاست کی ذمہ داری ہوگی، اس لئے یہ امر ابتداہی سے مملکت خداداد پاکستان کی ریاستی پالیسی کا ایک اہم اور لاینفک جزو رہا ہے کہ وہ ملکی اقتصادیات سے استیصال سود کے لئے ضروری اقدامات بروئے کار لائے۔ چنانچہ اس سلسلے میں اسلامی نظریاتی کونسل سے متعدد بار یہ کہا گیا کہ وہ قرآن و سنت کی روشنی میں، ربوٰا کا صحیح مفہوم واضح کرے اور یہ بتائے کہ اسلامی قانون کے ان بنیادی مآخذ میں سود کے متعلق جو احکام اور ہدایات وارد ہوئی ہیں ان کا حقیقی مقصود و مدعا کیا ہے؟ ان استفسارات کے جواب میں کونسل نے ہمیشہ اس نقطۂ نظر کا اظہار کیا کہ ربوٰا کی اصطلاح سود کی ہر قسم اور نوع پر حاوی ہے۔ خواہ وہ سود گھریلو اشیائے صرف کی خریداری کے لئے دیئے گئے قرضوں پر لیا گیا ہو یا پیداواری مقاصد کے لئے دیئے گئے کاروباری قرضوں پر، — اور خواہ وہ سود ذاتی نوعیت کے ہوں یا تجارتی نوعیت کے۔ اور خواہ قرض لینے والا کوئی فرد ہو، یا ادارہ یا حکومت، اور خواہ سود کی شرح کم ہو یا زیادہ۔ لیکن افسوس ہے موجودہ حکومت کے قیام سے پہلے اس قسم کے رسمی استفسارات کے سوا استیصال سود کے لئے کوئی قابلِ ذکر کوشش نہیں کی گئی۔

ملکی اقتصادیات سے استیصال سود کے سلسلے میں عملی اقدام کا شرف صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق کو حاصل ہوا۔ موصوف نے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لینے کے بعد نہ صرف یہ کہ اسلامی نظریاتی کونسل کو ہدایت کی کہ وہ ملک میں سود سے پاک اقتصادی

نظام کا خاکہ تیار کرے بلکہ یہ اعلان بھی کر دیا کہ تین سال کے بعد پاکستان میں سود کا لینا اور دینا قطعاً ممنوع ہوگا۔ مزید برآں تحدید وقت سے متعلق صدر محترم کے اس اعلان کو آئین پاکستان میں اس ترمیم کے ذریعے آئینی حیثیت دے دی گئی جس میں کہا گیا ہے کہ مالی امور سے تعلق رکھنے والے قوانین آئندہ صرف تین سال تک شرعی عدالتوں کے اختیارات سماعت سے باہر رہیں گے۔

اسلامی نظریاتی کونسل نے اپنی تشکیل نو کے فوراً بعد اقتصادیات اور بنک کاری کے ماہروں پر مشتمل ایک پینل قائم کیا تاکہ وہ اسلامی احکام و تعلیمات کی روشنی میں ملک کے اقتصادی نظام کی ترتیب و تنظیم جدید کے لئے ضروری خاکہ تیار کرے۔ اس پینل کے سپرد جو کام کئے گئے ان میں سے ایک یہ تھا کہ وہ استیصال سود کے مسئلے کے تکنیکی اور فنی پہلوؤں کا تفصیلی جائزہ لے کر یہ بتائے کہ وہ کون سے طریقے اور ذریعے ہیں جن سے کام لے کر ملک کے نظام بنک کاری کو شریعت اسلامی کے مطابق از سر نو منظم کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ پینل نے مسئلے کے تمام پہلوؤں کا دقت نظر سے جائزہ لے کر اپنی سفارشات مرتب کیں اور کونسل کے سامنے اپنی رپورٹ پیش کی جس میں ایسی قابل عمل تجاویز شامل تھیں جن کے ذریعے ملکی اقتصادیات سے سود کا عنصر اس حد تک ختم کیا جا سکتا تھا جس حد تک بحالات موجودہ ممکن ہے۔ اس کے علاوہ ان سفارشات میں وہ بڑے بڑے خطوط بھی واضح کر دیئے گئے تھے جن پر نئے نظام کی عمارت استوار ہونی چاہیئے۔ کونسل کی زیر نظر رپورٹ بڑی حد تک پینل کی انہیں سفارشات پر مبنی ہے۔ تاہم جہاں ضرورت محسوس ہوئی کونسل نے احکام شریعت اسلامیہ کے مطابق پینل کی سفارشات میں مناسب ترمیم و اصلاح اور حذف و اضافہ سے بھی کام لیا ہے۔ کونسل کو پوری امید ہے کہ صدر پاکستان اور ان کے رفقائے کار زیر نظر رپورٹ کو قومی پالیسی کے ایک لازمی حصہ کی حیثیت سے قبول فرمائیں گے۔ اور اس کا عملی نفاذ کر کے بلا تاخیر تمام ضروری اقدامات بروئے کار لائے جائیں گے۔

۲۔ اس رپورٹ کی تیاری اور ترتیب و تالیف میں ماہرین معاشیات و بنک کار کے پینل نے جو وقیع خدمات انجام دی ہیں، کونسل بصمیم قلب ان کا اعتراف کرتی ہے اور پینل کی انتھک کوششوں، مقصد سے اس کے اخلاص، اس کی اعلیٰ ترین ذہنی صلاحیتوں

اور فنی مہارت کو خراج تحسین پیش کرتی ہے جس کے باعث پینل کے لئے یہ ممکن ہوا کہ اس نے سوا دو سال کے نتیجۃً مختصر عرصے میں اسلام کے نظام اقتصادیات پر تین قابل قدر رپورٹیں پیش کیں۔

پینل کی پہلی رپورٹ، جو عبوری تھی، منتخب مالی اداروں کے لین دین سے استیصال سود کے طریقوں پر مشتمل تھی۔ یہ دونوں رپورٹیں کونسل کے تبصرے اور مشوروں کے ساتھ پہلے ہی حکومت کی خدمت میں پیش کی جا چکی ہیں۔ پینل کی تیسری رپورٹ جو اس وقت قارئین کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، اس کی ان کوششوں کی معراج کو ظاہر کرتی ہے جن کی ابتدا اس کام سے ہوئی جو پینل نے عبوری رپورٹ پر کیا۔ اس رپورٹ میں بڑی جامعیت کے ساتھ ان تمام مسائل پر بحث کی گئی ہے جو بحیثیت مجموعی ملک کی پوری اقتصادیات سے سود کا عنصر ختم کرنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس رپورٹ میں خاص تفصیل کے ساتھ ان اقدامات کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو حصول مقصد کے لئے ضروری ہیں۔ کونسل کی رائے میں پینل کی یہ رپورٹ ایک ایسی تاریخی دستاویز ہے جس میں نہ صرف یہ کہ اندرون ملک استیصال سود کی عملی بنیادیں فراہم کر دی گئی ہیں بلکہ اُمید ہے یہ دوسرے ممالک کے لئے بھی اس موضوع پر مزید تحقیق وجستجو اور حکمت عملی کی تیاری میں ایک پُرزور محرک اور رہنمائی کا عمدہ ذریعہ ثابت ہو گی۔ اس دستاویز کے موضوع کی وسعت اور اس میں اختیار کئے گئے فنی طریق کار کی خوبیوں کے پیش نظر یہ کہنا بجا ہوگا کہ عصر حاضر کے عالم اسلام میں یہ سب سے پہلا رسالہ ہے جس کی تیاری اور تصنیف میں اقتصادیات اور بنک کاری کے ماہرین نے حصہ لیا جو نہ صرف یہ کہ معاشی امور اور مالی معاملات کا وسیع عملی تجربہ رکھتے تھے بلکہ انہیں اس اہم اور انتہائی مشکل کام کے عملی اور نظری پہلوؤں کا بھی واضح شعور اور گہری بصیرت حاصل تھی جو ان کے سپرد کیا گیا تھا۔

اب جب کہ الحمدللہ ملکی اقتصادیات سے استیصال سود کے سلسلے میں بنیادی کام مکمل ہو چکا ہے، حکومت کو چاہیئے کہ وہ مختلف ورکنگ گروپ قائم کرے جو نئے نظام کی جملہ تفصیلات طے کرنے کے علاوہ حکومت کو یہ مشورہ دیں کہ وہ کون سی تبدیلیاں ہیں جو مالیات اور بنک کاری سے متعلقہ قوانین میں بروئے کار آنی چاہئیں۔ اس کے علاوہ مطلوبہ تبدیلیوں کے مؤثر نفاذ کے لئے نئے قوانین کے مسودوں اور ایک

جامع اور قابل عمل نقشۂ کار کی تیاری کا فریضہ بھی انہی کے سپرد ہونا چاہیئے۔ ان گروپوں کو اپنے کام کا آغاز اس امر کے حقیقی احساس کے ساتھ کرنا چاہیئے کہ ایک تو یہ کام وقت کی اہم اور فوری ضرورت ہے اور دوسرے ہماری قومی ذمہ داری ہے۔

(۳) کونسل کو پینل کی اس رائے سے پورا اتفاق ہے کہ قومی اقتصادیات سے سودی عناصر کا خاتمہ اسلام کے نظام افکار کا بس ایک حصہ ہے اور صرف اس اقدام سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ ہمارا پورا معاشی نظام اور اقتصادی ڈھانچا اسلامی افکار و تصورات کے مطابق ڈھل جائے گا۔ علاوہ ازیں اس سمت میں قدم بڑھاتے ہوئے یہ حقیقت ہماری نظروں سے اوجھل نہ ہونی چاہیئے کہ سود سے پاک نظام بنک کاری صرف اس صورت میں کامیاب اور ثمرآور ہوسکتا ہے جب اس کے نفاذ کے ساتھ ساتھ اس امر کے لئے بھی بہترین کوششیں بروئے کار لائی جائیں کہ لوگوں میں خدا خوفی، دیانتداری، احساس ذمہ داری، حب الوطنی اور اعتبار کے قابل ہونا جیسی لازمی اخلاقی خوبیاں اجاگر ہوں۔ افسوس ہے اسلامی قوانین رائج کرتے وقت معاملے کے اس پہلو پر اتنی توجہ نہ دی جاسکی جس کا یہ مستحق تھا۔ کونسل نے اس سے پہلے، جس وقت قوانین حدود اور نظام زکوٰۃ کے سلسلے میں اپنی سفارشات پیش کی تھیں، اس وقت بھی تعمیر اخلاق اور زندگی کی جھوٹی قدروں کے استیصال جیسے اصلاحی اقدامات کی اہمیت پر زور دیا تھا۔ لیکن اب جب کہ ملک میں سود سے پاک نظام بنک کاری رائج ہو رہا ہے۔

ایسے اصلاحی اقدامات کی اہمیت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔ لہٰذا کونسل ایک مرتبہ پھر پورے زور کے ساتھ اپنی اس سفارش کا اعادہ کرتی ہے کہ عوام کو نئے نظام کی تفصیلات سے آگاہ کرنے اور اس کی افادیت ان کے ذہن نشین کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ذرائع ابلاغ عامہ کے ذریعے پہلے سے طے شدہ نقشے کے مطابق ایک بھرپور تبلیغی مہم چلائی جائے تاکہ انہیں نئے نظام کی مادی اور اخلاقی خوبیاں معلوم ہوں اور یہ کہ وہ کون سے دنیاوی اور اخروی فوائد و برکات ہیں جو انہیں اس تبدیلی کی صورت میں حاصل ہوں گے۔ علاوہ ازیں انہیں یہ بھی جاننا چاہیئے کہ نئے نظام کی کامیابی کیلئے انہیں کیا کرنا ہے اور اس سلسلے میں ان پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ اس مہم کا مقصد صرف یہ نہ ہونا چاہیئے کہ عوام مجوزہ نظام کے مطلب و مفہوم اور غرض و غایت سے

آگاہ ہوں بلکہ انہیں اس بات کے لئے آمادہ کیا جانا چاہیئے کہ وہ اس تبدیلی کے پیش کردہ چیلنج کو پورے اخلاص، خوش دلی اور مشنری جوش و جذبہ کے ساتھ قبول کریں۔

۴ - کونسل اس امر پر زور دینا چاہتی ہے کہ بنک کاری کے لئے نئے نظام کو کامیاب کرنے کے لئے یہ امر انتہائی ضروری ہے کہ حکومت ملک کے پورے نظام محاصل کا از سرنو مکمل جائزہ لے اور خاص طور پر انکم ٹیکس کے طریق کار کو آسان بنائے۔ کونسل نے نظام زکواۃ کے نفاذ کی سفارش کرتے وقت بھی اس اقدام کی ضرورت کا اظہار کیا تھا۔ اور لکھا تھا کہ جب تک انکم ٹیکس کے نظام اور اس کی تشخیص ٹیکس کے طریق کار کو سادہ اور آسان نہ بنایا جائے گا زکواۃ کی صحیح صورت میں وصولی ممکن نہ ہوگی۔ افسوس ہے کونسل کی اس سفارش پر ابھی تک عمل درآمد نہیں ہو سکا۔ کونسل اپنی زیر نظر رپورٹ پیش کرتے ہوئے اس سلسلے میں ایک مرتبہ پھر اپنی گہری تشویش کا اظہار کرنا چاہتی ہے، خصوصاً اس لئے کہ انکم ٹیکس کے نظام کی مکمل اصلاح سود سے پاک نظام بنک کاری کی کامیابی کے لئے ایک لازمی شرط کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی وجہ یہ حقیقت ہے کہ نئے نظام میں بنکوں کی آمدنی کا انحصار بڑی حد تک ان کاروباری اداروں کے منافعوں پر ہوگا جو بنکوں سے مالی امداد لیں گے۔ لہٰذا اگر انکم ٹیکس کا موجودہ نظام جوں کا توں رہا تو کاروباری ادارے بھی پہلے کی طرح بدعنوانیوں کے مرتکب ہوتے رہیں گے۔ وہ اپنے منافعے چھپائیں گے اور دوہرے تہرے حسابات رکھیں گے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان اداروں کے منافع میں سے بنکوں کا جائز حصہ انہیں نہ ملے گا جس سے بنکوں کی آمدنی متاثر ہوگی۔

(۵) جہاں تک سود سے پاک بنک کاری نظام کے عملی پہلوؤں کا تعلق ہے کونسل اس امر کو ابتداہی میں واضح کر دینا ضروری سمجھتی ہے کہ اسلام کے اقتصادی نظام میں سود کا مثالی متبادل حل نفع نقصان میں شرکت یا قرض حسنہ کی صورت میں سرمائے کی فراہمی ہے۔ اگرچہ اس رپورٹ میں پیش کردہ سفارشات بڑی حد تک نفع نقصان میں شرکت کے اصول پر مبنی ہیں، لیکن بعض سفارشات میں کچھ دوسرے متبادل طریقے مثلاً پٹہ داری، ملکیتی کرایہ داری، بیع موٴجل، سرمایہ کاری بذریعہ نیلام کاری بھی اپنائے گئے ہیں۔ یہ اس لئے کہ ان دنوں ہمارا معاشرہ اخلاق و کردار کی جس سطح پر ہے، اس کے پیش نظر نفع نقصان میں شرکت کے اصول کو پورے طور پر نافذ کرنے میں بعض عملی

مشکلات پیش آسکتی ہیں۔ تاہم کونسل نے ان متبادل طریقوں میں جہاں ضرورت محسوس کی مناسب تبدیلیاں کیں تاکہ انکے ذریعے سودی لین دین کے امکان کو ختم کیا جاسکے۔ علاوہ ازیں اس امر کی جانب بھی اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ اگرچہ یہ متبادل طریقے جس صورت میں یہ زیر نظر رپورٹ میں پیش کئے گئے ہیں، سود کے عنصر سے پاک ہیں، تاہم اسلام کے مثالی اقتصادی نظام کے نقطۂ نظر سے یہ صرف " دوسرا بہترین حل " سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ اس کے علاوہ یہ خطرہ بھی موجود ہے کہ یہ طریقے بالآخر سودی لین دین اور اس سے متعلقہ برائیوں کے از سر نو رواج کے لئے چور دروازے کے طور پہ استعمال ہونے لگیں۔

لہٰذا یہ امر ضروری ہے کہ ان طریقوں کا استعمال کم سے کم حد تک صرف ان صورتوں اور خاص حالات میں کیا جائے جہاں اس کے سوا چارہ نہ ہو اور اس بات کی ہرگز اجازت نہ دی جائے کہ یہ طریقے سرمایہ کاری کے عام معمول کی حیثیت اختیار کر لیں۔ لہٰذا کونسل سفارش کرتی ہے کہ اس امر کا فیصلہ بنیادی پالیسی کے طور پر ہو جانا چاہیئے کہ جوں جوں وقت گزرے گا نفع نقصان میں شرکت اور قرض حسنہ کی صورت میں فراہمی سرمایہ کے اصول کو زیادہ سے زیادہ عمل میں لایا جائے گا اور سرمایہ کاری کے یہ دوسرے طریقے بالکل ختم کر دیئے جائیں گے۔

کونسل کی رائے میں اس وقت دو عوامل ایسے ہیں جو نفع نقصان میں شرکت کے اصول کو وسیع پیمانے پر اپنائے جانے کے خلاف برسرکار ہیں یعنی ایک تو معاشرے میں غیر اخلاقی طریقوں کا وسیع پیمانے پر رواج اور دوسرے جہالت لہٰذا اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے ملک میں ایک مثالی اسلامی نظام قائم ہو تو ہمارے لئے ناگزیر ہے کہ ہم ان دونوں عوامل کے استیصال کے لئے بھرپور جدوجہد کریں۔ قرآن مجید اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دیانت داری، لین دین کی صفائی اور حصول علم کی اہمیت پر بے حد زور دیا گیا ہے۔ قرآن مجید مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ قرض کی صورت میں جو لین دین کریں اسے لکھ لیا کریں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم لین دین میں کھرے پن کی ضمانت مہیا کرتا ہے۔ لہٰذا ہمیں اپنی تمام صلاحیتیں اور وسائل عوام میں دیانتداری کا احساس بیدار کرنے اور ملک سے جہالت کی تاریکیاں ختم کرنے میں صرف کرنے چاہیئں۔ جب ہمارا معاشرہ دیانتداری کی مطلوبہ سطح حاصل کرلے گا اور تعلیم کی روشنی عام ہو جائے گی تو مندرجہ بالا متبادل طریقے خود

بخود غیر ضروری قرار پا جائیں گے اور تمام مالی ادارے نفع نقصان میں شرکت یا قرض حسنہ کی بنیاد پر سرمایہ کاری کریں گے۔

۶ - آج کل کسی ملک کا نظام بنک کاری اس کی معاشیات میں انتہائی اہم کردار ادا کرتا ہے لہذا پاکستان کے بنکنگ سسٹم کو اسلامی اصولوں پر استوار کرنے کے لئے یہ بات ناگزیر ہے کہ ایسے تمام قوانین، اور قواعد و ضوابط میں ضروری تبدیلیاں بروئے کار لائی جائیں جو کسی بھی حیثیت سے ہمارے بنکوں کی کارکردگی پر اثر انداز ہوتے ہوں - لہذا مال کی خرید و فروخت، رہن، کرایہ، پٹہ، وکالت، قرض، تولیت، شراکت اور خیانت وغیرہ سے متعلق تمام قوانین میں ایسی تبدیلیاں کی جانی چاہئیں کہ وہ اسلامی شریعت کے مطابق ہو جائیں - چنانچہ کونسل سفارش کرتی ہے کہ استیصال سود کی مہم شروع کرنے کے ساتھ ساتھ ان قوانین میں اصلاح و ترمیم کا عمل بھی بروئے کار آنا چاہیئے -

(بقیہ صث ۱۷۱)

۲۹ - جلباب (سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۵۹) سے کیا مراد ہے اور قرون اولیٰ میں اس کی کیا شکل رائج تھی؟

۳۰ - کیا آجکل کا مروجہ برقع حجاب کے احکامات کے مطابق ہے -

۳۱ - اگر سوال نمبر ۳۰ کا جواب نفی میں ہو تو آپ اس کی جگہ کیا استعمال کرتے ہیں؟

۳۲ - پردے کے احکامات کب نازل ہوتے کن کن سورتوں میں ہیں اور ان میں کیا ترتیب اور ربط ہے؟

۳۳ - کیا ٹیلی ویژن پر مسلمان مرد نامحرم خواتین کو اور مسلمان خواتین نامحرم مردوں کو دیکھ سکتی ہیں؟

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

بَلِّغُوْا عَنِّی وَلَوْ اٰیَۃً

(پہنچاؤ میری جانب سے چاہے ایک ہی آیت ہو)

ڈاکٹر اسرار احمد تیسری قسط

تعارف الکتٰب

نواں پارہ

قَالَ الْمَلَاُ

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ط قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ہ

قرآن مجید کا نواں پارہ "قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ" کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے۔ اور اسی نام سے موسوم ہے۔ اس کے بعد سورۃ انفال کی چالیس آیات۔ سورۃ اعراف کی ابتدا میں وہی مضمون جو سابقہ پارے میں جاری تھا۔ یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر اور اس کے بعد بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر شروع ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات واقعات فرعون کے ساتھ ان کی کشمکش مصر میں جن شدائد و مسائل سے وہ اور بنی اسرائیل دوچار تھے۔ اور پھر اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم سے بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے فرعون کے انتہائی شدید عذاب اور اس کی طرف سے شدید مصیبت سے دوچار کیا جارہا تھا۔ ان حالات و واقعات کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہوا۔ ساتھ ہی یہ واقعہ بھی بیان ہوا کہ فرعون کے عذاب سے نجات پانے کے فوراً بعد یہ بدبخت قوم وہ ہے جو شرک میں مبتلا ہوگئی۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر طلب فرمایا۔ تاکہ انہیں تورات عطا کی جائے۔ ان کے پیچھے بنی اسرائیل بچھڑے کی پرستش میں مبتلا ہوگئے۔ گویا انجیل ہی کے الفاظ کے مطابق یہ وہ قوم تھی جس نے پہلی ہی شب میں بیوفائی کی اس پر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام

واپس آئے تو انہوں نے انتہائی ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شدید سزا بھی اس قوم کو ملی اور بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ستّر سرکردہ افراد کو لے کر اجتماعی توبہ کے لئے حاضر ہوتے اس موقعہ پہ جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی طرف سے اللہ تعالیٰ سے استفسار فرمایا؛ اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا کہ جہاں تک میری رحمت کا تعلّق ہے وہ اگرچہ عام ہے لیکن تمام اہل ایمان کے لئے اور ان لوگوں کیلئے جن سے اگر گناہ سرزد ہو جائے تو وہ توبہ کریں۔ رجوع کریں۔ ان کے لئے بھی میری رحمت ہے۔ لیکن میری رحمت کا خاص حصّہ ان کو ملنے والا ہے جو نبی اُمّیؐ پر ایمان لائیں گے۔ اس ضمن میں چند بڑے جامع اصول سامنے آئے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ . . . .

وہ لوگ جو ہمارے اس نبی اُمّی صلّی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لائیں گے، ان کا احترام کریں گے، ان کا ادب کریں گے، ان کے مسلک کی پیروی کریں گے، فرائضِ رسالت کی ادائیگی میں ان کے دست و بازو بنیں گے، اپنے مشن کی تکمیل میں مددگار بنیں گے اور اس نور کا اتباع کریں گے، جو ہم اس کے ساتھ نازل کریں گے۔ (یعنی قرآن مجید) یہ لوگ ہوں گے جو حقیقی فلاح سے دوچار ہوں گے۔
ان الفاظ میں ہم مسلمانوں کے لئے بھی بڑی راہنمائی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے یہ حقوق ہیں جو ہم میں سے ہر فرد پر عاید ہوتے ہیں آپ پر ایمان، آپ کی پیروی، آپ کا ادب آپ کے مشن کی تکمیل کے لئے جان و مال کا کھپانا وہ دین جو آپ لے کر آئے تھے، جس کے بارے میں مولانا حالی نے بڑے دردانگیز پیرائے میں کہا کہ :-

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے!

اس دین کو دنیا میں غالب کرنا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بعثت ہے۔ اس کے لئے جان و مال کھپانا اور اس قرآن مجید کا اتباع کرنا۔ اللہ کی اس مضبوط رسی کو پوری مضبوطی کے ساتھ تھام لینا، یہ ہیں اُمّتِ مسلمہ میں

سے ہر فرد و بشر کے فرائض جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے ضمن میں اس پر عاید ہوتے ہیں۔ جیسا کہ عرض کیا گیا تھا۔ کہ سورۃ اعراف اکثر و بیشتر تاریخ انسانی کے اہم واقعات پر مشتمل ہے اور انسان سے جو عہد ازل میں لیا گیا تھا۔

أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ ج

کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ اور سب نے اقرار کیا تھا۔ بلیٰ (ہاں) اس عہد کا بھی ذکر ہوا ساتھ ہی تاریخ بنی اسرائیل کی ایک بڑی اہم شخصیت بلعم بن باعور کا بھی ذکر ہوا ہے جسے اللہ نے بہت سا علم عطا کیا تھا۔

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَٰكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ ۚ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ج ط

اور ہم چاہتے تو اسے اور بلندی عطا فرماتے اور رفعت و شان عطا فرماتے لیکن جو بدقسمت زمینی خواہشات اور سفلی شہوات ہی کی طرف ہو کر رہ گیا اس کی مثال کتے کی ہے اس کے بعد سورۃ انفال کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ سورۃ مبارکہ مدنی ہے اور پوری کی پوری سن دو ہجری میں غزوہ بدر کے فوراً بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اس سورۃ مبارکہ میں ہمارے دین کے دو بنیادی حقوق کو بڑے شرح وصدر کے ساتھ بیان کیا گیا یعنی ایک ایمان دوسرے جہاد چنانچہ آغاز ہی میں مومنین صادقین کے اوصاف کا ذکر ہوا۔ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ ۔

مومن تو بس وہ ہے کہ جب اللہ کا نام لیا جائے تو اُن کے دل لرز اٹھے

آیت :- وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ

يَتَوَكَّلُوْنَ ج اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ؕ

اور جب انہیں ہماری آیات پڑھ کر سنائی جائیں تو اُن کے ایمان یقین میں اضافہ ہو اور وہ اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہوں اور وہ نماز قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے ہمارے لئے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا۔

جن لوگوں میں یہ اوصاف ہیں وہ درحقیقت مومنین ہیں اس کے فوراً بعد غزوۂ بدر کا ذکر شروع ہو گیا ہے یہ انتہائی عظیم اور اہم معرکہ جس سے کہ کفر کو کھلی شکست ہوئی اور اسلام کو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے ایک عظیم فتح عطا فرمائی اس کا تفصیلاً ذکر ہوا۔ جن حالات میں یہ جنگ واقع ہوئی بالکل کوئی نسبت نہیں تھی مسلمانوں کے اور کفار کے مابین اس کے باوجود یہ تین سو تیرہ اور بے سروسامان اور وہ ایک ہزار اور کیل کانٹے سے لیس اللہ تعالےٰ نے فتح مبین عطا فرمائی کفار کے ستّر سردار زمین بدر پہ کٹے ہوئے کھجور کی مانند پڑے ہوئے تھے۔ فرمایا گیا مسلمانو! اس مغالطے میں نہ رہنا کہ یہ فتح تم نے اپنے زورِ بازو سے حاصل کی ہے آیت۔ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ص

تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے کیا۔ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى اور اے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے جو کنکریوں کی مٹھی بھر کر کفار کی طرف پھینکی تھی وہ آپ نے نہیں ہم نے پھینکی تھی گویا کہ یہ فتح ونصرت تائید خداوندی سے ہی حاصل ہوئی تھی اور اسی کے لئے تم آئندہ بھی اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم سے اُمیدوار رہ سکتے ہو۔

دسواں پارہ

وَاعْلَمُوْآ

قرآن حکیم کا دسواں پارہ وَاعْلَمُوْآ کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے۔ اور اسی نام سے موسوم ہے۔ اس میں اوّلاً سورۃ الانفال کی بقیہ ۴۵ آیات شامل ہیں۔ اور اس کے بعد سورۃ التوبہ کا آغاز ہوتا ہے۔ جس کی ۹۳ آیات اس پارے میں شامل ہیں۔ سورۃ الانفال میں قتال فی سبیل اللہ کا جو مضمون پچھلے پارے سے چلا آرہا تھا۔ اس کا ہدف مقرر کیا گیا تھا ان الفاظِ مبارکہ سے وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِؕ کفار سے جنگ جاری رکھو۔ یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین کل کا کل صرف اللہ کے لئے ہو جائے۔ یعنی انسانی زندگی اپنی تمام تفصیلات سمیت اللہ کی اطاعت کے تحت آجائے۔ اس پارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے فرمایا گیا کہ آپ اہل ایمان کو قتال کی تحریص دلائیں انہیں ترغیب دیں۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِؕ۔

اے نبی اہل ایمان کو قتال پر راضی فرمایئے انہیں جہاد فی سبیل اللہ پر ابھاریئے۔

اس سورۃ کے اختتام پر ایمان حقیقی کی تعریف کا دوسرا جزو آیا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْۤا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّاؕ

اور وہ لوگ کہ جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اللہ کی راہ میں اور جہاد کیا اور وہ لوگ کہ جنہوں نے انہیں پناہ دی اور ان کی مدد کی۔ یہ ہیں اصل مومن اور حقیقی مومن۔ گویا کہ ایک حقیقی مومن کی جامع اور مانع تعریف اس سورۃ مبارکہ میں دو حصوں میں ہو کر آئی پہلے حصے میں ایمان کے داخلی ثمرات ایمان کی قلبی کیفیات عبادات کے ساتھ شغف اللہ پر توکل اور دوسرے حصے

میں جہاد فی سبیل اللہ ہجرت اور قتل فی سبیل اللہ ان دونوں کو جمع کیا جائے تو ایک بندۂ مومن کی پوری تصویر مکمل ہوجاتی ہے۔

اس کے بعد سُورۃ التوبہ کا آغاز ہوتا ہے۔ اس سورۃ مبارکہ کا نام سُورۃ بُرَآءۃ بھی ہے۔ اس لئے کہ اس کا آغاز ہی اس لفظ سے ہوتا ہے۔ اور گویا کہ اس کی ابتداہی میں وہ آیات وارد ہوئی ہیں کہ جن کے ذریعے مشرکین عرب سے اعلان براءۃ کر دیا گیا۔ یہ درحقیقت نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مشن کا تکمیلی مرحلہ ہے اندرون ملک عرب کی حد تک اسی سورۃ مبارکہ میں وہ عظیم آیت وارد ہوئی ہے۔ هُوَ الَّذِیٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ ط وہی ہے اللہ جس نے بھیجا اپنے رسول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو بالہدیٰ یعنی قرآن مجید اور دینِ حق دے کر تاکہ غالب کر اس کو پورے کے پورے دین پر یہ اللہ کے دین کا غلبہ اقامتِ دین اعلائے کلمۃ اللہ ہے - یہ ہے بعثتِ محمدی کی اصل غرض و غایت حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے اس مشن کو جزیرہ نمائے عرب کی حد تک بہ نفسِ نفیس مکمل فرمایا۔ چنانچہ آپ کی ۲۳ سالہ محنت و مشقت اور جدوجہد کا جو تکمیلی مرحلہ ہے اندرون ملک عرب کی حد تک اس کا ذکر بھی ہے اس سورۃ مبارکہ میں چنانچہ غزوہ حنین کا ذکر بھی ہے کہ جو فتح مکہ کے بعد گویا مشرکین عرب کیطرف سے آخری (RESISTA NGE) تھی نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کیخلاف اور جس کے بعد پورے جزیرہ نمائے عرب میں کوئی طاقت ایسی باقی نہ رہی جو نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے راستے میں مزاحم ہوسکتی ہو۔ چنانچہ اگلے ہی سال ۹ھ میں جب نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم قافلہ حج کو روانہ فرما چکے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی امارت میں، اس سُورۃ مبارکہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ چنانچہ آپ نے حضرت علیؓ کو بھیجا جنہوں نے آپ کے ذاتی نمائندے کی حیثیت سے اجتماع حج میں ان آیات کو پڑھ کر سنایا۔ اعلان کر دیا کہ عشرہ کے خاتمے کے بعد جزیرہ نمائے

عرب کے مشرکین کا قتل عام شروع ہو جائے گا ۔ جب یہ محترم مہینہ ختم ہو جائے تو مشرکین کو ختم کر دو ۔ جہاں کہیں پاؤ ۔ یہ درحقیقت اسی سُنت اللہ کی تکمیل تھی کہ رسُولوں کے انکار کے بعد جن قوموں کی طرف رسولوں کو بھیجا جاتا ہے ان کے ساتھ رعایت نہیں کی جاتی ۔ عذاب نازل ہوتا ہے کبھی وہ آسمان سے نازل ہوتا ہے۔ کبھی وہ ان کے قدموں کے تلے زمین سے پھٹ کر نکلتا ہے ۔ کبھی وہ اہل ایمان کی تلواروں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے ساتھ ہی اس سورۃ مبارکہ میں آنحضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی دعوت یا بالفاظ دیگر انقلاب محمّدی علی صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام کا جو بین الاقوامی اسلامی دور ہے اس کے آغاز کا ذکر ہے ۔ حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے صلح حدیبیہ کے فوراً بعد اطراف و جوانب عرب میں جو ملوک و سلاطین تھے سب کو دعوتی خطوط بھیجے تھے ۔ ان دعوتی خطوط میں سے ایک خط جو حضرت حارث ابن عمیر لے گئے تھے رئیس شام کے نام تھا حضرت حارث بن عمیر کو اس رئیس شام نے قتل کر دیا ۔ چنانچہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے قصاص کے لئے ایک فوج بھیجی ۔ یہ تین ہزار کا لشکر تھا ۔ جن کا مقابلہ شرحبیل بن عمر کی ایک لاکھ فوج سے ہوا ۔ یہ جنگ موتہ کہلاتی ہے ۔ جو جمادی الاوّل ۸ھ میں واقع ہوئی ۔ اگرچہ اس میں کوئی مقابلہ نہ تھا تین ہزار کا ایک لاکھ سے لیکن حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالےٰ عنہ بڑی ہی حکمت کے ساتھ مسلمان فوج کو کفار کے نرغے سے نکال لائے لیکن اس کے بعد حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تبوک کا سفر اختیار فرمایا ۔ تین ہزار جانثاروں کے ساتھ آپ شام کی سرحد تک پہنچے اور بیس دن تک آپ نے وہاں قیام فرمایا ۔ ہرقل اگرچہ قریب ہی موجود تھا ۔ اور اس کے پاس لاکھوں کی فوج موجود تھی ۔ لیکن وہ مقابلے پر نہ آسکا۔ اور پورے علاقے میں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا رُعب و دبدبہ قائم ہوگیا ۔ الغرض اس سفر تبوک کے ذریعے جس کی تفصیلات سورۃ التوبہ میں وارد ہوئی ہیں، دعوتِ انقلابِ اسلامی حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بین الاقوامی دور کا آغاز ہوگیا ۔

گیارہ پارہ

یَعۡتَذِرُوۡنَ

قرآن مجید کا گیارھواں پارہ یَعۡتَذِرُوۡنَ کے نام سے موسوم ہے اس میں اوّلاً سورۃ توبہ کی بقیہ ۹۳ آیات شامل ہیں پھر پوری سورۃ یونس اور آخر میں سورۃ ہود کی صرف پانچ آیات۔ سورۃ توبہ کے بارے میں پہلے ہی عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ رجب ۹ھ میں غزوہ تبوک کے موقعہ پر نازل ہوئی۔ بعض آیات آغازِ سفر سے قبل نازل ہوئیں۔ کچھ دورانِ سفر نازل ہوئیں۔ اور کچھ واپسی پر۔ یہ غزوہ واقعہ یہ ہے کہ انتہائی نامساعد حالات میں پیش آیا۔ ایک تو وقت کی عظیم ترین عسکری قوت یعنی سلطنت روم سے ٹکراؤ تھا۔ پھر انتہائی سخت گرمی کا موسم تھا۔ قحط کا عالم تھا۔ مسلمانوں کے ایمان کے لئے ایک بہت بڑی آزمائش بن گئی۔ اور منافقین کے نفاق کا پردہ چاک ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس سورۃ مبارکہ میں منافقین کے بارے میں بڑی سخت ترین بات وارد ہو چکی ہے حضورؐ سے فرمایا گیا کہ "اِسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ اَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ ؕ اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ سَبۡعِيۡنَ مَرَّةً فَلَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ ۔" اے نبی آپؐ ان کے لئے خواہ استغفار فرمائیں خواہ نہ فرمائیں اگر آپ ان کے لئے ستر دفعہ استغفار کریں گے تب بھی اللہ ان کو معاف نہیں فرمائے گا۔"

اس سورۃ مبارکہ کا جو حصہ اس پارہ میں شامل ہے۔ اس میں منافقین کے بالکل برعکس اہل ایمان کے طرزِ عمل کی تعبیر ان مبارک الفاظ میں کی گئی۔ اِنَّ اللّٰهَ اشۡتَرٰى مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ وَاَمۡوَالَهُمۡ بِاَنَّ لَهُمُ الۡجَــنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ فَيَقۡتُلُوۡنَ وَيُقۡتَلُوۡنَ قف

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے ان کی جانیں اور مال جنّت کے عوض خرید لی ہیں وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔ اور قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں۔

یعنی اہل ایمان اللہ کے لئے اس کے دین کی سربلندی کے لئے نہ اپنی جان سے دریغ کرتے ہیں۔ اور نہ اپنے مال سے اس لئے کہ وہ تو پہلے ہی اللہ کے ہاتھ اپنی جانیں اور مال فروخت کر چکے ہیں۔ اب ان کے پاس یہ جان اور مال اللہ کی امانت ہے۔ کہ جب بھی اللہ چاہے اور اس کے دین کا تقاضا ہو۔ اسے حاضر کر دیں اور اللہ کی جناب میں سرخرو ہو جائیں اور سبکدوش ہو جائیں۔ اس سورۃ مبارکہ کے اختتام پر ایک بڑی عظیم آیت وارد ہوئی ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے بعثتِ محمدیؐ کی شکل میں اُمتِ مسلمہ پر جو احسان عظیم فرمایا ہے۔ اس کا ذکر ہوا۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ
حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

اے مسلمانوں تمہارے پاس آ گئے ہیں ہمارے رسولؐ جو تم ہی میں سے ہیں۔ جن پر بہت شاق گذرتی ہے ہر وہ چیز جو تمہارے لئے باعثِ تکلیف ہو۔ اور جو تمہارے لئے ہر خیر اور بھلائی کے خواہاں ہیں۔ اور تمہارے حق میں رؤف رحیم ہیں۔ سُورۃ توبہ کے بعد گیارہویں پارے میں سُورۃ یونس اور اس کے بعد سُورۃ ہود وارد ہوئی ہیں۔ یہ دو مکی سُورتیں بھی ایک انتہائی حسین وجمیل جوڑے کی صورت میں ہیں۔ اور ان کے مابین بھی وہی نسبت ہے۔ جو پہلے سورۃ انعام اور الاعراف میں تھی۔

سُورۃ یونس میں زیادہ تر آفاق و انفس کی شہادتوں میں سے توحید اور نبی اکرمؐ پر ایمان کی دعوت دی گئی۔ جبکہ سورۃ ہود میں زیادہ زور انبیاء و رسُل کے حالات واقعات اور جن اُمتوں اور قوموں کی طرف رسول بھیجے گئے ان کے انکار کی پاداش میں ان پر جو عذاب ہلاکت نازل ہوا۔ اس کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔ سورۃ ہود کے بارے میں نبی اکرمؐ نے فرمایا۔ مجھے سُورۃ ہود اور اس کی ہم مضمون سُورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے اس لئے کہ ان سورتوں میں بالکل انداز ایسا ہے۔ کہ جیسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل عرب کو آخری وارننگ دی جا رہی ہو۔ اور

اب بھی اگر وہ ایمان نہ لاتے۔ تو گویا کہ عذاب الٰہی کا بند بالکل ٹوٹنے والا ہے۔ اس صورت حال کی وجہ سے نبی اکرمؐ سخت صدمہ سے دوچار تھے۔ ان دونوں سورتوں میں قرآن مجید پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ دونوں کا آغاز ہوا اس بات کی وضاحت سے کہ یہ قرآن مجید کمال حکمت کی حامل کتاب ہے۔ سورۃ یونس میں فرمایا، آلر۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝ یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں۔ سورۃ ہود کا آغاز ہوا۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے۔ جس کی آیات پہلے محکم کی گئیں ان کی تفسیر کی گئی اس ہستی کی طرف سے جو حکیم بھی ہے اور خبیر بھی۔ اس کے بعد ان دونوں سورتوں میں قرآن حکیم کے بارے میں کفار کو چیلنج کر دیا گیا کہ اگر تمہارا یہ گمان ہے۔ کہ یہ ہمارے رسول نے خود اپنی طرف سے گھڑ کر تصنیف کر لی ہیں۔ تم بھی ایسی کچھ سورتیں تصنیف کر کے لے آؤ چنانچہ سورۃ ہود میں فرمایا۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

"کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں۔ کہ قرآن کو خود محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصنیف فرما لیا ہے۔ تو ان سے کہیے کہ قرآن جیسی دس سورتیں تم بھی تصنیف کر کے لے آؤ" یہ چیلنج سورۃ یونس میں اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ جہاں دس سورتوں کی بجائے یہ فرمایا گیا کہ اس جیسی ایک ہی سورت تصنیف کر کے لے آؤ"۔ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ" ساتھ ہی یہ بات بھی واضح کر دی کہ مشرکین اور کفار کو اصل عداوت و دشمنی قرآن مجید سے ہے جیسے کہ اس سے پہلے سورۃ انعام میں بھی یہ الفاظ وارد ہو چکے ہیں کہ اے نبی آپ غمگین نہ ہوں۔ یہ کفار آپ کو جھوٹا نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ یہ تو اللہ کی آیات کا انکار کر رہے ہیں۔ یہاں بھی فرمایا گیا کہ ان کا مطالبہ یہ ہے۔ اَنِ ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ۔ کہ اے محمدؐ اس قرآن کے سوا کوئی اور قرآن لے کر آؤ یا اس میں کچھ ترمیم کر لو۔ ارشاد ہوا کہ جواب میں فرمائیے اے نبی۔ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ

میرے لئے بالکل ممکن نہیں ہے کہ میں اپنے جی سے اس میں ترمیم کرسکوں۔ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوحٰٓی اِلَیَّ میں تو خود پابند ہوں اس کا جو میری طرف وحی کیا جارہا ہے چنانچہ اس حکم پر یونس کا اختتام بھی ہوتا ہے۔

وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰٓی اِلَیْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰی یَحْكُمَ اللّٰهُ ج وَهُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ ہ

اے نبی اتباع کیجئے پیروی کیجئے مضبوطی سے تھامے رکھئے اس کو کہ جو آپ کی طرف وحی کیا جارہا ہے اور صبر کیجئے انتظار فرمایئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم سنادے اور وہ تمام حاکموں سے بڑھ کر حاکم ہے سب سے بڑھ کر عدل اور انصاف سے کام لینے والا ہے۔

سورۂ یونس میں ایک اور اہم مضمون جو وارد ہوا وہ ایمانِ حقیقی کے ثمرات سے متعلق ہے۔ وہ مومن حقیقی جو اللہ کا ولی، اللہ کا دوست، اللہ کا ساتھی بن جاتا ہے۔ ان کی کیفیت یہ ہے کہ:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ج

یعنی وہ کہ جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ کی روش اختیار کی۔ معلوم ہوا کہ ولایتِ الٰہی درحقیقت ایمان حقیقی اور تقویٰ ہی کا نام ہے اور اس کا حاصل یہ ہے۔

لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ط

ان کے لئے بشارتیں ہی بشارتیں ہیں۔ خوشخبریاں ہی خوشخبریاں ہیں۔ دُنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت کی زندگی میں بھی۔ یہی وہ مضمون ہے جو قرآن مجید میں ایک اور مقام پر آیا ہے یہ ایمان حقیقی کے ثمرات ہیں۔ کہ انسان اس دنیا میں بھی خوف اور غم سے نجات حاصل کرلیتا ہے۔ اور آخرت میں بھی اسے ان دونوں چیزوں سے نجات مل جاتی ہے۔

سوالنامہ برائے پردہ

عالم اسلام خصوصاً پاکستان میں بے پردگی کا جو سیلاب آیا ہوا ہے اس نے ہر دینی شعور اور حس رکھنے والے مسلمان کو مضطرب کیا ہوا ہے۔ بعض اذہان میں عہد حاضر کے تقاضوں کے پیش نظر پردے کے بارے میں چند اشکالات بھی ہیں جن کو ایک مشاورت میں سامنے رکھ کر ایک جامع سوالنامہ مرتب کر کے ماہ نومبر ۸۰ سے فروری ۸۱ تک اس کو پاک و ہند کے تقریباً ۴۰ مقتدر علماء کرام اور دینی اداروں کو استصواب کے لئے ارسال کیا گیا تھا۔ تاحال صرف جامعہ مدینہ لاہور کے دارالافتاء سے اس کا ایک مجمل جواب موصول ہوا ہے۔ مزید جوابات کا انتظار ہے۔ قارئین میثاق میں سے جو اہل علم اس پر قلم اٹھانا چاہیں ان کو دعوت ہے کہ وہ ان مسائل پر دینی روشنی میں خیالات کا اظہار فرمائیں۔ ہمارے پاس جب اس مسئلہ پر کچھ مواد جمع ہو جائے گا تو اُسے شائع کر دیا جائے گا۔ جوابات کے لئے اس سوالنامے کے نمبر کا حوالہ دیا جائے گا لہذا جو حضرات اس مسئلہ سے خصوصی دلچسپی رکھتے ہوں اُن سے اس شمارے کو حفاظت سے رکھنے کی درخواست ہے (مرتب)

۱ - کیا بالغ عورت اپنے گھر میں ایسے لباس میں رہ سکتی ہے۔ جس میں سے چہرے ہتھیلیاں ٹخنے سے نیچے پیر کے حصے کے علاوہ جسم کا کوئی اور حصہ ظاہر ہو رہا ہو، ہاں کی صورت میں وضاحت کیجئے۔

۲ - کیا عورت کے بال بھی ستر میں شامل ہیں اور ڈھپنا لازمی ہے؟

۳ - کیا عورت اس لباس میں گھر سے باہر بھی نکل سکتی ہے۔ جس میں وہ بالعموم اپنے گھر میں ہوتی ہے۔

۴ - کیا گھر سے باہر نکلتے وقت عورت کو اپنے جسم اور لباس کو کسی اضافی چادر یا برقع وغیرہ سے ڈھانپنا لازمی ہے۔

۵ - کیا باہر نکلنے کے لئے عورت کا چہرہ بھی لازمی ڈھانپنا چاہیئے۔؟

۶ - اگر سوال نمبر ۵ کا جواب نفی میں ہو تو آیا بناؤ سنگھار (MAKE-UP) کے ساتھ بھی چہرے کو ڈھانپے بغیر باہر نکلا جا سکتا ہے۔؟

۷ - کیا محرم صرف وہی لوگ ہیں جن کا ذکر سورہ نور آیت نمبر ۳۱ میں ہے؟

۸ - آیت مذکورہ بالا میں لفظ آبائن آیا ہے کیا اس کا اطلاق والد اور دادا کے چچا اور ماموں پر بھی ہوتا ہے۔

۹ - کیا آبائن کا اطلاق خالو پر نہیں ہوتا اور وہ غیر محرم ہے؟

۱۰ - اسی آیت مذکورہ میں اباء بعولتھن کا ذکر ملتا ہے یعنی عورت کے لئے شوہر کے والد اور دادا محرم ہیں کیا اس کا اطلاق شوہر کے چچا ماموں اور خالو پر بھی ہوتا ہے؟

۱۱ - سوال نمبر ۱۰ کا جواب اگر ہاں میں ہو تو کیا اس پر قیاس کر کے بیوی کی ماں دادی چچی پھوپھی اور خالہ کے لئے اس کا شوہر محرم ہوگا؟

۱۲ - کیا بھائی چچا ماموں بھانجے بھتیجے وغیرہ جو محرم قرار دیئے گئے ہیں اس کا اطلاق صرف سگے رشتہ داروں پہ ہوتا ہے۔

۱۳ - کیا چچا زاد ماموں زاد پھوپھی زاد اور خالو زاد بھائی بہن اور ان کی اولاد محرم ہے؟

۱۴ - دیور اور جیٹھ کا غیر محرم ہونا تو ثابت ہے پھر ایسے چھوٹے چھوٹے گھروں میں جہاں پورا کنبہ ایک ساتھ رہتا ہو اور ان کے لئے یہ ممکن نہ ہو سکے کہ سب الگ الگ مکان میں رہ سکیں ایک دوسرے کا سامنا ہو جانا ممکن ہے بلکہ ایسا نہ ہونا ناممکن ہے اس سلسلے میں آپ کیا تجویز کرتے ہیں یا کیا حکم لگاتے ہیں۔

۱۵ - کیا غیر محرم بالغ مرد یا نوکر محرم کی غیر موجودگی میں گھر میں آسکتا ہے۔

۱۶ - اگر غیر محرم افراد گھر میں آئیں تو عورت اپنے محرم کی موجودگی میں ان کے سامنے آسکتی ہے۔

۱۷ - اور عورت ان کے ساتھ بیٹھ سکتی ہے اگر ہاں تو کس لباس میں؟

۱۸ - عورت پر پردے کے احکام کا اطلاق کس عمر سے شروع ہوتا ہے؟

۱۹ - اگر کسی کے بھائی کی عمر اس کی شادی کے وقت ایسی رہی ہو کہ اس کے بھائی کی بیوی نے گود میں کھلایا ہو تو بالغ ہو جانے کے بعد کیا اس دیور کا معاملہ بھی

عام دیوروں کی طرح ہوگا۔

۲۰۔ اگر کسی عورت کی شادی کے وقت اسکی بہن کی عمر ایسی ہی ہو کہ اس کے شوہر نے سالی کو گود میں کھلایا ہو تو کیا یہ سالی بھی سن بلوغت کو پہنچ جانے کے بعد اس کے لئے ایسے غیر محرم ہوگی جیسے دوسری سالیاں؟

۲۱۔ کیا عورت غیر محرم کے ساتھ گھر سے باہر جا سکتی ہے؟

۲۲۔ اگر سوال نمبر ۲۱ کا جواب ہاں میں ہو تو یہ کن کن امور میں ممکن ہے؟

۱۔ سفر
بذریعہ ہوائی جہاز
بذریعہ بحری جہاز
بذریعہ ریل گاڑی
بذریعہ کار

۲۔ خرید فروخت کے لئے بازار جانا (۳) پکنک (۴) تقریب میں شرکت کے لئے جانا۔

۲۳۔ ہنگامی حالات کون کون سے ہیں اور ان میں پردہ میں استثنیٰ کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

۲۴۔ اکثر سننے میں آتا ہے کہ مسلمان عورتیں جنگوں میں شریک ہوا کرتی تھیں اور زخمیوں کی تیمارداری اور مرہم پٹی کا کام ان کے سپرد ہوتا تھا یہ کہاں تک صحیح ہے۔

۲۵۔ کیا نرسنگ کا پیشہ مسلمان عورتیں کر سکتی ہیں بالخصوص جہاں انہیں ہسپتالوں میں غیر محرم کی مرہم پٹی اور تیمارداری کرنی ہوتی ہے؟

۲۶۔ حج کے موقع پر بالعموم اور طواف کے وقت بالخصوص پردے کی کیا صورت ہے؟

۲۷۔ کیا آپ قرآن کے اس حکم کو جس میں فرمایا گیا ہے کہ واذا سألتموھن متاعًا فسئلوھن من وراء حجاب آیت نمبر ۵۳ سورۃ الحزاب) صرف امہات المومنین (ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے مخصوص سمجھتے ہیں؟

۲۸۔ غضِّ بصر سورۃ نور آیت نمبر ۳۰) سے کیا مراد ہے یہ محرم اور غیر محرم کیلئے یکساں ہے۔

(بقیہ صفحہ ۸۱ پر)

خطوط و آراء

● از جناب مولانا محمد منظور نعمانی - مدیر ماہنامہ الفرقان ـ لکھنؤ (بھارت)

(۱) محب مکرم محترم جناب قاضی عبدالقادر صاحب احسن اللہ تعالیٰ الیکم والینا

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

عنایت نامہ مؤرخہ ۲۵ - ربیع الاوّل ۱۴۰۱ھ (یکم فروری ۱۹۸۱ء) موصول ہوکر موجب منت ہوا ـــ ہمشیرہ مرحومہ کے لئے دعائے مغفرت کا اہتمام اور تعزیت کا دل سے شکر گزار ہوں - جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء -

ڈاکٹر صاحب کے اور آپ کے علاقہ مدراس کے سفر اور خطابات کا حال معلوم کرکے دلی مسرت ہوئی اور حسرت بھی -

گرامی نامہ ہی سے آپ حضرات کی مولانا علی میاں سے بمبئی میں ملاقات کا حال معلوم ہوا - مولانا ذکر کرنا غالباً بھول گئے - بمبئی سے مولانا کی لکھنؤ واپسی کے بعد اتفاق سے بس ایک مختصر ملاقات ہوسکی - وہ دوسرے ہی دن رائے بریلی تشریف لے گئے اور پھر ۳ر فروری کو وہاں سے ہوکر حجازِ مقدس کے لئے روانہ ہوگئے ـــ آپ کا مجھ پہ ایک اور بھی قرض ہے - کئی ہفتے ہوئے (لفافہ کی لکھنؤ کی ڈاک کی مہر سے معلوم ہوا کہ قریباً ڈیڑھ مہینہ ہوگیا) پردہ کے مسئلہ سے متعلق آپ کا ایک بہت طویل سوالنامہ آیا تھا - میں خود تو اس حال میں نہیں تھا اور نہیں ہوں کہ محنت کرکے اس کا جواب لکھ سکوں، یہ سوچتا رہا کہ کس کے سپرد کروں - پھر ذہن میں ایک بات آئی لیکن آپ کو لکھنے کی نوبت ابھی تک نہیں آئی تھی - اب عرض کرتا ہوں میرا مشورہ یہ ہے کہ کسی ایسے صاحب سے اس کا تفصیلی اور تحقیقی جواب لکھوائیے جو اس کے اہل ہوں - (میرا خیال ہے کہ مولانا محمد تقی عثمانی (کراچی) اور غالباً مولانا سمیع الحق صاحب (اکوڑہ خٹک) بھی وہ ہوسکتے ہیں) پھر وہی جواب اُن حضرات کو تصدیق کے لئے بھیج دیا جائے جن کی تصدیق و توثیق کی آپ ضرورت سمجھیں -

ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں سلام اخلاص و محبت -

دُعاؤں کا محتاج و طالب اور دُعا گو ہوں ۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ
۱۶۔ فروری ۱۹۸۱ء محمد منظور نعمانی بقلم عبید

۔ اس مکتوب کے آخر میں مولانا مدظلہ نے اپنے قلم سے حسبِ ذیل اضافہ فرمایا : ۔

(۱) "میثاق" میں ڈاکٹر صاحب کا وہ "خطبہ جمعہ" پڑھکر جو صدر ضیاء الحق صاحب کے سامنے دیا گیا تھا (جس میں زنانہ ہاکی ٹیم کا بھی تذکرہ تھا) دل سے دُعا نکلی کثّر اللہ اَمْثَالَهُمْ فِيْنَا ۔ افسوس ہے لوگ نظام ، قانون کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں ۔ اصل مقصد تو معاشرے میں ایمان اور ایمان والی زندگی کا ہے ۔

(۲) میں نے ڈاکٹر صاحب سے عرض کیا تھا کہ آپ کی کتاب[1] کی اشاعت کے بعد سے جو کچھ ہوا ہے (جس نے کتاب کے لفظ لفظ کی تصدیق کر دی ہے) وہ بھی اس طرح قلمبند ہو جانا چاہیے ۔ میرے نزدیک یہ بڑی دینی خدمت ہے ۔ ڈاکٹر صاحب نے غالباً بتلایا تھا کہ آپ یہ کام کر رہے ہیں ۔ کیا یہ کام ہو رہا ہے ؟ اللہ تعالیٰ آپ سے یہ کام لے لے ۔

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ط والسلام

(۳) مخلص مکرم و محترم جناب قاضی عبدالقادر صاحب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

گرامی نامہ مورخہ ۹ ، فروری وقت پر موصول ہو گیا تھا اُس سے غالباً ایک ہی دن پہلے میں آپ کی خدمت میں عریضہ لکھ چکا تھا ۔ اس میں پردہ کے مسئلہ سے متعلق جناب کے سوالنامے کے بارے میں بھی اپنا یہ مشورہ عرض کیا تھا کہ بہتر صورت یہ ہوگی کہ وہیں کے کسی صاحب علم اور صاحب قلم سے اس کا تفصیلی جواب لکھوا یا جائے ۔ پھر جن حضرات کی تصدیق و توثیق کرانی ہو ان کے پاس اُس کی کاپی بھیج دی جائے ۔ میں نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ اس کام کے لئے میرا خیال ہو مولانا تقی عثمانی صاحب یا مولوی سمیع الحق صاحب اور مولانا طٰسین صاحب بھی شاید موزوں ہوں ـــ اس وقت خاص طور سے یہ عرض کرنا ہے کہ ربیع الاوّل ، ربیع الثانی کے میثاق میں صفحہ ۴۹ سے صفحہ ۶۰ تک ڈاکٹر صاحب کی تقریر کا جو حاصل شائع کیا گیا ہے ۔ میرا خیال یہ ہے کہ یہی وہاں کے مسئلہ کا حل ہے ۔ اب تو وہاں تحریک شروع ہو گئی میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے مشورہ کو اصولی طور پہ اپنا کر وہ تحریک کو فیل کر سکتے ہیں ۔ میری رائے ہے کہ اس کے لئے ڈاکٹر صاحب

[1] "تحریک جماعت اسلامی ۔ ایک تحقیقی مطالعہ" مراد ہے (مرتب)

بھی ملاقاتیں کریں یاد رہے صحیح الخیال با اثر لوگ یہ کام کریں۔ اس وقت یہ سطریں خاص طور سے ڈاکٹر صاحب کو یہی پیغام پہنچانے کے لئے لکھا رہا ہوں۔ امید ہے کہ یہ اشارہ کافی ہوگا۔ دُعا گو اور دُعاؤں کا محتاج ہوں۔ ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں سلام مسنون۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ محمد منظور نعمانی (۲۳ر۳ر۸۱ء)

● از: مولانا محمد تقی امینی صاحب۔ ناظم شعبہ سنی دینیات۔
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (بھارت)

محترم و مکرم ڈاکٹر صاحب زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ دعوت نامہ[1] مل گیا تھا۔ جواب میں تاخیر ہوئی معذرت چاہتا ہوں، ۱۷ فروری کو بچی سلمہا کی شادی تھی اگرچہ بہت سادی تھی پھر بھی بچی کی تھی۔ سفر کا معاملہ ابتک پہلے ہی جیسا ہے احباب سے ملنے کا بہت جی چاہتا ہے خدا کرے جلد وہ دن آئے کہ آپ حضرات سے ملکر دل کو طمانیت و سکون حاصل ہو۔ آمین۔

قرآن حکیم کے سلسلہ میں آپکی خدمات "میثاق" کے ذریعہ معلوم ہوتی رہتی ہیں جو قابل رشک ہیں اللہ ان کو قبول فرمائے آمین کسی کی اس سے زیادہ اور کیا خوش نصیبی ہوسکتی ہے کہ شب و روز وہ اللہ کے کلام کی تشریح و توضیح اور اس کو اللہ کے بندوں تک پہنچانے میں لگا رہے اس کے علاوہ اور کوئی کام ہی نہ رہ جائے۔

ذکر جانش فکر و جانش — ہیچ دگر من کار نہ دارم

آپ مجھ ناچیز کے لئے بھی دعا فرمادیں کہ وہ اپنے "کلام" کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے اور قبول فرمائے آمین۔ آجکل "حول الدستور القرآنی" لکھ رہا ہوں اور پھر "الدستور القرآنی" لکھنے کا ارادہ ہے۔ درخواست ہے کہ تکمیل کی دعا فرمادیں۔ محترم قاضی صاحب کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے۔ سیمینار کی کامیابی کے لئے دُعا کر رہا ہوں خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہوں۔ والسلام۔ محمد تقی امینی۔

---

[1] وہ دعوت نامہ مراد ہے جو محاضرات قرآنی (سیمینار) میں شرکت کیلئے ارسال کیا گیا تھا۔ جس کا انعقاد ۲۳ر مارچ تا ۳۱ر مارچ ۸۱ء قرآن اکیڈمی میں ہو رہا ہے۔ (مرتب)

● از : ڈاکٹر ایس نذیر محمد - ایم - بی - بی ایس - مدراس (بھارت)

محترم جناب قاضی عبدالقادر صاحب ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ ، مزاج گرامی
مدراس میں ڈاکٹر صاحب اور آپ کا قیام مختصر رہا - ڈاکٹر صاحب کی تقاریر نے جو معرکۃ الآرا اور نہایت ہی فکر پرور اور بصیرت افروز رہیں اہل مدراس پر اپنا گہرا اثر اور نقش چھوڑا ہے - ان کی تشنگی جوں کی توں رہ گئی ہے وہ چاہتے تھے کہ ڈاکٹر صاحب کے بارانِ خطبات سے سیراب ہوں - لیکن افسوس ہے کہ یہ تمنا پوری نہ ہو سکی - مرکزی میلاد کمیٹی مدراس اور مسلمانانِ مدراس ڈاکٹر صاحب کے بے حد شکر گزار اور رہین منت ہیں کہ آپ نے باوجود بے شمار مصروفیتوں کے اتنا لانبا سفر کر کے مدراس آنے اور سیرت النبیؐ کے اجلاس کو مخاطب کرنے کی زحمت گوارا فرمائی - ہماری دعا ہے کہ اللہ جل شانہٗ ڈاکٹر صاحب کی دینی خدمات کے صلہ میں ثوابِ دارین عطا فرمائے اور آپ کا سایہ برصغیر کے مسلمانوں پر تا دیر قائم رکھے تاکہ وہ ان کے مواعظِ حسنہ سے مستفیض ہو کر صراطِ مستقیم پہ چلنے پر قابل بن جائیں - آمین !

ہم نام کی جانب سے ڈاکٹر صاحب مدظلہ العالی کو سلام کہئے گا -
نیز التماس ہے کہ ڈاکٹر صاحب اور آپ اس ناچیز کو دعائے خیر میں یاد رکھیں -

طالب دعا - ڈاکٹر نذیر محمد -

●- از جناب مولوی محمد عبدالجلیل خطیب باقوی - (ناظم تنظیم جمیعۃ العلماء دہلی برائے جنوبی ہند) - مدراس (بھارت)

مکرمی محترمی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب زید مجدکم

سلام مسنون - مزاج گرامی عزیز محترم قاضی صاحب زاد لطفہٗ کی طرف سے آپ کا پیغام پہنچا میں حد درجہ شرمندہ ہوں کہ مجھ سے آپ کا تعاون نہ ہو سکا - آپ نے دلی کے اندر یا دو پیدا کر کے ہمت افزائی فرمائی آپ کے بیانات ماشاء اللہ اپنی نوعیت اور موضوع کے لحاظ سے ہر جگہ بہت مفید رہے تشنگی باقی رہ گئی - جماعت اسلامی والوں نے آپ سے جو اثر دیو لیا ہے - اس کی تفصیل تو معلوم نہ ہو سکی البتہ اتنا سننے میں آیا کہ ان کی طرف سے کہ آپ بالکلیہ جماعت کی اساسی حیثیت کے مخالف نہیں ہیں آپ کی

کتاب میں نے دیکھی مولانا منظور صاحب نے بھی آپ کی کتاب کا حوالہ اپنی کتاب میں دیا ہے اور مولانا وحیدالدین خاں نے بھی اگر اس صنف کی آپ نے بھی تنقید مولانا مودودی مرحوم اور جماعتِ اسلامی پر کی ہے تو اس میں کوئی اعتراض نہیں ہے، پھر آپنے وانیم باڑی کے خطاب میں حضرت شیخ الہندؒ کو ان کی خدمات کے اعتراف پر چودہویں صدی کا مجدد ثابت کیا اور مولانا آزاد مرحوم کی خدمات کا اعتراف کیا اور جمیعۃ العلماء ہند کو ملت کی ایک فعّال جماعت ثابت کیا مولانا سید حامد میاں صاحب مدظلہٗ نے اپنے خط میں آپ کی مدح فرمائی ان باتوں سے آپ پر اعتماد بڑھ گیا۔ میثاق خدا کرے ہم تک پہنچنے کی راہ پیدا ہو سکے۔ عزیز محترم قاضی صاحب کی خدمت میں شکریہ کے ساتھ سلام عرض فرمائیں احباب کارکنان رفقاء کو سلام

دُعا کا طالب محمد عبدالجلیل عفی عنہ (۱۲ر فروری ۱۹۸۱ء)

● از جناب زبیر عمر صدیقی۔ مکہ مکرمہ (سعودی عرب)

(۱) مکرم محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب دامت فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

سب سے پہلے عزیزم ڈاکٹر عارف رشید کی تقریب مسنونہ بسلسلہ عقد نکاح کی مبارکباد قبول فرمائیں۔ آپ کا توعصرانہ کا دعوت نامہ بھی دعوتی پمفلٹ ہے۔ خدا آپ کی دینی عزیمت اور استقامت میں مزید اضافہ فرمائے۔ یقیناً یہ بھی جہاد کی کیفیت کا حامل ہے۔ اللہ سے دُعا ہے کہ جس دینی جذبہ سے آپ نے یہ رشتہ عزیزم عارف میاں کا کیا ہے۔ اس کو ویسی ہی رحمتوں اور برکتوں سے خداوند تعالےٰ نوازیں۔ آمین۔

اس بار حج پر آپ کی آمد کا منتظر رہا۔ لیکن اسبار آپ ہماری وادی غیر ذی ذرع کو SKIP کر گئے۔ ظاہر ہے نئی دنیا کی زرخیزی کی کیفیت یہاں نہیں۔ بڑی سنگلاخ زمین رہی ہے ہمیشہ سے۔ اہل مکہ کا رویہ داعیان حق کے معاملہ میں گرم جوشیوں سے پُر شاید کبھی نہیں رہا۔ یہاں شعب علی ہے۔ اور تنعیم ہے جہاں سے گزرتے ہوئے جناب خبیبؓ کا خیال آتا ہے۔ جناب بلالؓ بھی اسی زمین کی گرم ریت پر لٹائے گئے تھے۔ غیاث صاحب نے میثاق کے لئے اشتراک کیا تھا۔ لیکن پتہ نہیں ان کو پرچہ کیوں نہ

پہنچا - آپ ان سے میثاق کے تبادلے میں "کریسنٹ" ضرور منگائیں ۔ ممکن ہے کہ ٹورانٹو میں یہ پرچہ آپ کی نظر سے گزرا ہو - آپکے وہاں پروگرام کی خبریں اس میں آئی تھیں - اس میں عالمی تجزیوں سے متعلق بعض چیزیں مفید آرہی ہیں - آپ کی نظر میں گزرنا اس کا ضروری ہے ۔

کیا آپنے شیخ عبدالواحد یحییٰ کی کچھ چیزیں دیکھی ہیں - یہ صاحب فرانسیسی نژاد مسلمان ہیں اور اپنے گینوں (RENE GENON) کے نام سے مغرب و مشرق کے علمی حلقوں میں معروف ہیں - مجھے ان سے اس سال واقفیت ہوئی - اور اس طرح مغرب کے نومسلموں میں بعض غیر معمولی شخصیتوں کا تعارف ہوا - ایک صاحب ہیں - FRITHJOF SHOUN سوئس مسلمان - انہوں نے ایک کتاب Understanding of Islam تصنیف کی ہے اتنی پرمغز مختصر کتاب شائد ہی کوئی ہو - انگریزی شاعر T.S. ELIOT نے کہا کہ اس سے بہتر کسی شخص سے میں واقف نہیں ہوں جس نے مذہب کے فلسفہ پر لکھا ہو - یہ کتاب Union Paper back کے سلسلہ میں ملتی ہے - لیکن شائد بازار میں دستیاب نہ ہو ۔

تجدید ایمان کے سلسلے میں آپ جو علمی و فکری سطح پر قرآن فہمی کی راہ ہموار کررہے ہیں اس سلسلے پر ان مصنفوں سے آپ کو بہت مدد ملے گی - اس لئے کہ اس میں انتہائی اعلیٰ علمی اور فلسفیانہ سطح پر بات کی گئی ہے - میں ابھی ان کتابوں کو سمجھنے کی کوشش کررہا ہوں - اگر یہ کتابیں آپ کو کسی لائبریری سے دستیاب نہ ہوسکیں تو سراج منیر صاحب کا تعاون حاصل کریں - ان کا تعارف قاضی صاحب کے خط میں کرا چکا ہوں ۔

اپنے خطبات ِ مدراس ، کی اشاعت کا ضرور اہتمام فرمائیے - اس کے مطالعہ کی آرزو رہے گی - جس منبر سے آپ نے یہ تقاریر کی ہیں اس کی وجہ سے بھی اس کی اہمیت ہے -

دوستوں بزرگوں کی خدمت میں سلام - عزیزم عارف رشید اور عاکف میاں کو میرا سلام و دعا کہئے ۔

والسلام علیکم ورحمۃ ، آپ کا بھائی مخلص زبیر

(۲) مکرمی و محترمی بھائی قاضی عبدالقادر صاحب وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'
سب سے پہلے بچی کی شادی کی مبارک باد قبول فرمائیں ۔ اللہ تعالےٰ سے دعا گو ہوں کہ جس جذبہ اور ہمت سے آپ نے ان تقاریب میں دینی روح کا خیال رکھا ہے خدا اس کو قبول فرمائے ۔ اور دوسروں کو بھی اس کی تقلید کرنے کی توفیق دے ۔

میثاق بڑی تاخیر سے ملا اس کا انتظار رہتا ہے ۔ ڈاکٹر صاحب کی مصروفیات کی تفصیل بڑھ کر دل امنگوں اور آرزوں سے بھر جاتا ہے ۔ مدراس کے خطبے یقیناً بڑی اہمیت کے افادیت کے حامل ہوں گے ۔ ان کے مطالعہ کی آرزو ہے ۔ اس خبر سے بہت خوشی ہوئی ۔ خدا ڈاکٹر صاحب کو اسی ہمت اور سلیقے سے کام کرنے کی مزید توفیق عطا فرمائے ۔

آپ نے اپنے خط میں میری خاموشی کا گلہ کیا ہے ۔ اور آگے بڑھنے کی دعوت دی ہے ۔ یقین کیجئے کہ آپ یاد دہانی نہ بھی کرائیں تو یہ خیال دل سے نہیں نکلتا کہ آخر کب تک اس گو مگو کی کیفیت میں مبتلا رہنا ہے ۔ صرف کم ہمتی کی ہی بات ہے ۔ دراصل اس ارضِ مقدس کے قیام نے بھی کمزور کر کے رکھ دیا ہے ۔ خدا کے گھر کے سائے میں اتنی عجیب کیفیات اور مشاہدات ہوئے ہیں کہ ذہن spetic سا ہو کر رہ گیا ہے ۔ یہ گویا صوفیا والی "قبض" کی کیفیت ہے ۔ 'بسط' کا مرحلے آ ہی نہیں پاتا ۔ مسلسل دعا کرتا ہوں کہ خدایا رہنمائی فرما اور دل کو یکسو کر دے اور کسی ایسی مشغولیت میں لگا دے جس میں تیری رضا ہو ۔

ڈاکٹر صاحب سے معمولی نوعیت کے اختلاف کا مسئلہ نہیں ہے ۔ اتفاق کامل تو کسی دو افراد کے درمیان فکری سطح پر ناممکن سی بات ہے ۔ لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ کس نوعیت کی شمولیت میری کارآمد ہے ۔ ڈاکٹر صاحب داعی ہیں اور باقی سب ساتھی سامعین سامتھی ہیں ۔ ان کا قرب میسر آتا تو میری بھی کچھ اصلاح اور تربیت ہوتی پھر بھی آپ کو شاید علم نہ ہو کہ یہاں کے احوال و ظروف کی خاص نوعیت کے باوجود لوگ ڈاکٹر صاحب کی دعوت و تحریک کے بارے میں مجھ سے ہی رجوع کرنے لگے ہیں ۔ کوئی ان سے برہم ہوتا ہے تو اپنی برہمی مجھ پر اتارتا ہے ۔ اور کوئی ان کے بارے کچھ معلوم کرنا چاہتا ہے تو مجھ سے رجوع کرتا ہے ۔ میں بھی موقع و محل کی مناسبت سے بات کرتا رہتا ہوں جو کچھ مواد میرے

پاسس ہے لوگوں کو دے دیتا ہوں قرآن کے حقوق کے عربی انگریزی نسخے عرب دوستوں کو بھی پڑھائے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ مدہم سے سروں میں ہوتا ہے۔ مالی تعاون البتہ مہلت پاتے ہی کرنے کی سعی کر دوں گا۔ جونہی اس قرض کا بوجھ اترا جو آ پڑا ہے۔ اس باب میں پیش قدمی کروں گا۔ البتہ مجھے احساس ہے کہ سب کچھ بنیادی نہیں ہے۔ جو تعاون اور اشتراک آپ چاہتے ہیں وہ یہاں سے ممکن نہیں ہے۔ اب میرا ارادہ ہے کہ جونہی قرض کے بارے سبکدوش ہوں یہاں سے رخت سفر باندھوں۔ وطن عزیز میں ابھی تک کچھ بندوبست نہیں وسیلہ معاش کا۔ دعا فرمایئے کہ وہاں کسی کالج میں یا کسی ایسے ادارہ میں کچھ سلسلے بن جائے جہاں لکھنے پڑھنے کا کام ہو تو آ جاؤں اور پھر یقیناً میرے لئے فیصلہ کن مرحلہ ہوگا کہ کس طرح پیشقدمی کروں۔ انجمن سے نہیں بلکہ فی الواقع تنظیم سے ہی مجھ کو بھی اصل دلچسپی ہے۔

فی الحال یہاں بیٹھ کر کچھ صورت حال طور پر یوں بن گئی ہے کہ جس درجہ میں بھی ممکن ہو ہر شخص اور بزرگ سے طالبانہ عقیدت کی وابستگی کے ساتھ تعاون کرتا ہوں اگر اس کے کسی کام سے اخلاص فی عمل کی کوئی خوشبو محسوس ہو۔ اس مقام پر رہنے کا تقاضا یہی نظر آتا ہے

تازہ شمارے میں ڈاکٹر صاحب نے حالات کا جو تجزیہ کیا ہے وہ فکر انگیز ہے لیکن اس کے تمام اجزاء سے اتفاق کرنا ممکن نہیں۔ بعض امور پر ان سے گفتگو کرنے کو جی چاہتا تھا۔ یہاں سے خط وکتابت کے ذریعے یہ بھی ممکن نہیں۔

فقہی اختلافات کے سلسلے کی تاریخ کے تعلق سے ڈاکٹر صاحب نے ۲۲ علماء کے متفقہ نکات کا گفتگو میں ذکر نہیں کیا۔ ممکن ہے کہ ذہن منتقل نہ ہوا ہو۔ یا تلخیص تیار کرنے میں درج ہونے سے رہ گیا ہو۔ اس پر تبصرہ ضروری تھا۔

آپ کا ایک پرچہ ــ جو مجھے ملتا ہے میرے احباب میں گردش کرتا ہے اور اس کے بعد ہر طرح کے ردعمل سے سابقہ پیش آتا ہے۔ امید ہے کہ آپ سمجھ گئے ہوں گے۔ ڈاکٹر صاحب کے مدراس اور امریکہ کے دورے کی تفصیل کا انتظار رہے گا۔ اگلا شمارہ وقت پر ملنا چاہیئے۔ تمام رفقاء کو سلام مسنون عرض کیجئے۔ اور دعاؤں میں مجھے یاد رکھیئے۔ آپکے خط کے لئے بہت شکر گزار ہوں۔ والسلام آپ کا بھائی زبیر

● ازجناب ڈاکٹر شیر بہادر خاں پنّی - ایبٹ آباد - پاکستان -

محترمی! السلام علیکم :- "میثاق" ماہ ربیع الاوّل و آخر کے شمارہ میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تقریر زیر عنوان "پندرھویں صدی ہجری کا آغاز" پڑھی۔ یہ تقریر ہر لحاظ سے آثار قیامت پر احادیث نبوی ؐ کی بہترین، مدلّل اور موثر تفسیر ہے اور عبر و بصائر کا ایک خزینہ ہے - لیکن اس تقریر میں سعودی حکومت پر تنقید بہ الفاظ "اس کا نظام حکومت اسلام کے شورائی نظام سے تہی دست ہے اور وہاں ایک خاندان کی بادشاہت کا نظام چل رہا ہے" بے جا معلوم ہوتی ہے۔ حالانکہ سب مسلمان ممالک میں سے اس وقت سعودی حکومت ہی میں اسلامی نظام شریعت چل رہا ہے -

ایسا معلوم ہوتا ہے - کہ تقریر کی روا روی میں یہ فقرہ ڈاکٹر صاحب کی زبان سے غیر شعوری طور پر نکل گیا - اگر اس تقریر کی کتابت کے بعد اُن کو نظر ثانی کا موقع مل جاتا تو وہ اس فقرہ کو ضرور قلم زد کر دیتے -

جہاں تک ایک خاندان کی حکومت کا تعلق ہے - تو یہ بات - قرآن کریم کے نزدیک قابل اعتراض نہیں - حضرت داؤد علیہ السلام و حضرت سلیمان علیہ السلام (باپ بیٹا) کی حکومت ایک خاندان کی حکومت تھی - یہی نہیں بلکہ حکومت اور نبوّت بیک وقت ایک خاندان میں رہی لیکن قرآن نے اُن دونوں کو توصیف فرمائی -

رہی مغربی طرز جمہوریت کی بات تو یہ نہ خلفائے راشدین کے عہد میں نظر آئی - اور نہ ہی مابعد کسی اسلامی سلطنت میں زیر عمل رہی - اس وقت شورائیت، اہل حل و عقد کے مشورہ پر منحصر رہی - جو عمل اور نتیجہ کے لحاظ سے بہترین جمہوریت تھی - نہ کہ موجودہ مغربی طرز حکومت (کہ از مغز دو صد خر فکر انسانی نمے آید) جس کے نتائج سے اہل مغرب اب خود ہی نالاں ہیں اور صدارتی نظام کی طرف مائل ہو رہے ہیں -

والسلام (ڈاکٹر) شیر بہادر ۲۲، فروری ۱۹۸۱ء

(بقیہ عرضِ احوال)

محمد عقیل صاحب ناظم مالیات کی جانب سے پیش ہو کر منظور کئے گئے ۔ بعدہٗ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب صدر مؤسس نے "پاکستان کا مستقبل" کے موضوع پر مفصل خطاب کیا جو تقریباً دو گھنٹے جاری رہا ۔ جس میں موصوف نے فرمایا کہ ہمارے ملک کے مستقبل کا انحصار اس ملک میں اسلام کے نفاذ سے وابستہ ہے چونکہ اس کی قیام کی وجۂ جواز صرف "اسلام" ہے ۔ دوسرے مسلم ممالک اپنے یہاں اگر اسلام کو بطورِ نظامِ حیات جاری نہ کریں تو وہ خدا کے ہاں تو مجرم ہوں گے لیکن ملک قائم رہے گا۔ اس کے برخلاف ہم نے پاکستان ' میں اسلامی نظام کے نفاذ سے اغماض برتا تو اس کی سلامتی و بقا کو سخت خطرہ لاحق ہو جائے گا ۔ اور خدا ہی جانتا ہے کہ یہاں کس قسم کے حالات پیدا ہوں گے اور علاقائی عصبیّت کا کس قسم کا عفریت سر اٹھائے گا ۔ ڈاکٹر صاحب نے ان لوگوں سے جن کو اسلام اور پاکستان عزیز ہے پُرزور اپیل کی کہ وہ خود بھی صحیح مسلمان بننے کی فکر کریں اور دعوتِ تجدید ایمان ۔ توبہ اور تجدید عہد کے علمبردار بنیں ۔ اس اجلاس میں اراکین انجمن کے علاوہ کثیر تعداد میں دیگر اصحاب نے بھی شرکت کی ۔

جامع قرآن میں نماز جمعہ کا آغاز

قرآن اکیڈمی میں جس جگہ مسجد کی تعمیر منصوبے میں شامل تھی اس کے Basement کے ایک کمرے میں تو جنوری ۱۹۸۲ء ہی سے پنج وقتہ نماز باجماعت شروع ہو گئی تھی ۔ الحمدللہ قرآن اکیڈمی کی جامع مسجد کی تعمیر مکمل ہو گئی ہے کچھ معمولی کام باقی ہے ۔ اس جامع مسجد کا نام "جامع قرآن" طے کیا گیا ہے ۔ جمعہ ۷۔۲ مارچ سے الحمدللہ والمنۃ اس جامع قرآن میں نماز جمعہ کی ادائیگی کا بھی آغاز ہو گیا ہے ۔ اس پہلے جمعہ میں خطبہ اور امامت کے فرائض ملک کے مقتدر عالم دین مولانا عبدالغفار حسن عمر پوری مدظلہ نے انجام دیئے ۔ مولانا موصوف مدینہ یونیورسٹی مدینہ منورہ میں استاذ الحدیث ہیں اور فی الحال جامع تعلیمات اسلامیہ فیصل آباد میں درس حدیث کا مہتم بالشان کام انجام دے رہے ہیں ۔

خطبہ جمعہ میں مولانا موصوف نے احکام و حکمت جمعہ پر روشنی ڈالی اور رجم کی سزا کے متعلق شرعی عدالت نے جو موقف اختیار کیا ہے اس پر تنقید کی اور فرمایا کہ احادیث صحیحہ اور تعامل و تواتر اُمّت سے یہ بات ثابت ہے کہ رجم تعزیر نہیں بلکہ

حدِ شرعی ہے - اس مسئلہ پر کسی بھی فقہی مسلک میں کوئی اختلاف نہیں ہے - یہ ان مسائل میں سے ہے جو "متفق علیہ" ہیں -

خطبہ جمعہ سے قبل دس بجے سے بارہ بجے تک ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے سورہ جمعہ کے پہلے رکوع کا درس دیا - اور بتایا کہ درحقیقت تذکیر بالقرآن کے مسلسل عمل کے لئے دین میں جمعہ کا نظام رکھا گیا ہے - مسلم شریف میں مروی ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم خطبہ جمعہ میں قرآن کی قرات فرماتے تھے اور لوگوں کو تذکیر فرماتے تھے - اس طرح کارِ رسالت کے چہار گانہ عمل کا نظام تلاوتِ آیات، تزکیہ - تعلیم کتاب (احکام) اور تعلیم حکمت کا خطبہ جمعہ کے ذریعے امت کے لئے ہمیش ہمیش کیلئے مقرر کر دیا گیا ہے - اس پہلے جمعہ میں بفضلہ تعالےٰ ساڑھے چھ سو سے بھی زائد اصحاب شریک ہوئے - خواتین کی بھی خاصی تعداد نے شرکت کی، جن کے لئے طہارت اور وضو گاہ اور ادائیگی نماز کے لئے جامع قرآن میں بالکل علیحدہ وسیع جگہ کا انتظام کیا گیا ہے -

تنظیم اسلامی کا سالانہ اجتماع

محاضراتِ قرآنی کی نو روزہ مصروفیات اور امیرِ تنظیم اسلامی کی خرابی صحت کے پیش نظر تنظیم اسلامی کا سالانہ اجتماع کی تاریخوں میں (جو ۳ تا ۶ اپریل منعقد ہونے والا تھا) توسیع کر دی گئی تھی - اب ان شاء اللہ یہ اجتماع یکم تا ۴ مئی ۸۱ء قرآن اکیڈمی میں ہو گا - یکم مئی ۸۱ء کو بعد نمازِ مغرب اس اجتماع کا آغاز امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے خطاب عام سے ہو گا - جس میں موصوف تنظیم اسلامی کی دعوت پیش کریں گے - توقع ہے کہ تمام رفقائے تنظیم اس سالانہ اجتماع میں شرکت کا پورا پورا اہتمام کریں گے -

الہدیٰ

قارئینِ میثاق کے لئے یہ اطلاع یقیناً موجب مسرت ہو گی کہ ان شاء اللہ ۳۰ اپریل (جمعرات) سے پاکستان ٹی وی "الہدیٰ" کے نام سے درس قرآن کا ایک پروگرام شروع کرے گا جس میں جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اپنے مرتب کردہ قرآنی منتخب نصاب کا آغاز کریں گے - جس کا پہلا درس "سورہ والعصر" ہے اور جس کی غایت یہ ہے کہ قرآن حکیم کے مختلف مقامات سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آجائے کہ نجاتِ اُخروی کے ناگزیر لوازم و شرائط کیا ہیں اور قرآن ایک بندۂ مومن میں فکر و عمل دونوں اعتبارات سے کونسے اوصاف حمیدہ اور اخلاق حسنہ پیدا کرنا چاہتا ہے

فہرست تصانیف
ڈاکٹر اسرار احمد

★ تحریک جماعت اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ	۶/-
★ مطالبات دین	۶/-
★ اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام	۱/-
★ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بعثت۔	۳/-
★ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کی بنیادیں	۲/
★ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (اردو)	۳/-
★ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (عربی)	۱۴/-
★ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (انگریزی)	۵/-
★ مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب حصہ اوّل	۵/-
★ مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب حصہ دوم	۵/-
★ قرآن اور امن عالم	-/۷۵
★ راہ نجات: سورۃ والعصر کی روشنی میں	۲/-
★ علامہ اقبال اور ہم	۲/
★ عظمت صوم	۲/
★ دعوت الی اللہ	۱/-
★ آیت الکرسی	-/۳۰
★ قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ: الفاتحہ تا الکہف	۷/-
★ شہید مظلوم (شہادت حضرت عثمانؓ)	۳/-

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کی

دو سالہ رپورٹ

مشتمل بر

کارگزاری انجمن دوران سال ۸۰،۷۹ء

از قلم

محمد بشیر ملک

ناظم اعلیٰ

جو

انجمن کے سالانہ اجلاس عام

منعقدہ ۲۳۔ مارچ ۱۹۸۱ء میں پیش کی گئی

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

تصانیف : امام حمید الدین فراہیؒ

- مجموعۂ تفاسیر فراہیؒ — ہدیہ -/۴۰ روپے
- اقسام القرآن — اردو ترجمہ الامعان فی اقسام القرآن — " ۳/۷۵ "
- ذبیح کون ہے ؟ — اردو ترجمہ القول الصحیح فی من ہو الذبیح — " ۴/۵۰ "

مترجم مولانا امین احسن اصلاحی

تصانیف : مولانا امین احسن اصلاحی

سلسلۂ تدبر قرآن :-

- مبادیٔ تدبر قرآن : تدبر قرآن کے اصول و قواعد پر اہم دستاویز — ہدیہ -/۱۲ روپے
- مقدمۂ تدبر قرآن و تفاسیر آیت بسم اللہ و سورۂ فاتحہ — " -/۳ "
- تدبر قرآن جلد اوّل — مشتمل بر مقدمہ و تفسیر از ابتداء تا سورۂ آل عمران — " -/۵۰ "
- تدبر قرآن جلد دوم — مشتمل بر تفسیر سورۂ نساء تا سورۂ اعراف — " -/۵۰ "
- تدبر قرآن جلد سوم — مشتمل بر تفسیر سورۂ انفال تا سورۂ بنی اسرائیل — " -/۵۰ "
- تدبر قرآن جلد چہارم — مشتمل بر تفسیر سورۂ کہف تا سورۂ قصص — " -/۵۰ "
- حقیقت دین — مشتمل بر حقیقت شرک، حقیقت توحید، حقیقت تقویٰ، حقیقت نماز — " -/۲۴ "
- دعوت دین اور اس کا طریق کار — " -/۱۰ "
- اقامت دین کے لئے انبیاء کرام کا طریق کار — " ۱/۲۵ "
- قرآن اور پردہ — " -/۱ "
- اسلامی قانون کی تدوین — " -/۵ "
- اسلامی ریاست — " -/۲۰ "
- پاکستانی عورت دوراہے پر — " -/۱۰ "

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ و
نتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا
من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلاھادی لہ ونشھد ان لا الہ
الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ
اما بعد :- اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معزز اراکین انجمن - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

۱ - جیساکہ آپ کو معلوم ہے کہ مرکزی انجمن خدام القرآن مارچ ۷۲ء میں معرض وجود میں آئی تھی اور چونکہ انجمن کے قواعد وضوابط کی رو سے ایک سالانہ اجلاس عام ہر سال ماہ مارچ یا اپریل میں منعقد کیا جانا ضروری ہے - الحمدللہ کہ یہ اجلاس ہر سال منعقد ہوتے رہے اور بحمدللہ آج مرکزی انجمن کا نواں سالانہ اجلاس عام ہو رہا ہے -

۲ - حضرات انجمن کی کارگزاری کی سالانہ رپورٹیں جیسے جیسے تیار ہوئیں انجمن کے سالانہ اجلاس میں پیش کر دی گئیں - مارچ ۷۲ء اور دسمبر ۷۶ء کے درمیانی عرصہ کی پانچ سالہ رپوٹ انجمن کے پانچویں سالانہ اجلاس منعقدہ ۲ - اپریل ۷۷ء میں پیش کی گئی - اس کے بعد سال ۷۷ء اور ۷۸ء کی دو سالہ رپورٹ انجمن کے سالانہ اجلاس منعقدہ ۲۷ - اپریل ۷۹ء میں پیش ہوئی اور اب موجودہ رپورٹ جو آپ کی خدمت میں آج ۲۳ مارچ ۸۱ء کو پیش کی جارہی ہے سال ۷۹ء اور ۸۰ء

کی مشترکہ رپورٹ ہے۔

ہیئت تنظیمی

۳۔ عرصہ زیر رپورٹ میں انجمن کے مختلف حلقہ ہائے رکنیت میں کمی تو نہیں ہوئی۔ لیکن رکنیت کے تین حلقوں یعنی محسنین، مستقل ارکان، اور عام ارکان میں خاطرخواہ اضافہ بھی نہیں ہو سکا۔

مؤسسین جن کی تعداد دسمبر ۷۸ء میں انیس (۱۹) تھی عرصہ زیر رپورٹ ۱۹۷۹ء اور ۱۹۸۰ء میں الحمدللہ سب مؤسسین بقید وحیات رہے اور ان کی تعداد میں کوئی کمی واقعہ نہیں ہوئی۔

محسنین کی تعداد دسمبر ۷۸ء میں اٹھارہ (۱۸) تھی جو ۷۹ء میں ۲۱ ہوگئی اور ۸۰ء کے اختتام پر ۲۷ تک بڑھ گئی،

مستقل ارکان جو دسمبر ۷۸ء میں ۲۷ تھے سال ۱۹۷۹ء میں ان کی تعداد میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ البتہ ۱۹۸۰ء کے اختتام پر ان کی تعداد ۳۴ ہوگئی۔ اسی طرح عام ارکان کی تعداد جو دسمبر ۷۸ء میں ۱۱۶ تھی۔ ۷۹ء میں ۱۳۲ اور ۱۹۸۰ء میں ۱۴۶ ہوگئی۔ یہ صورت حال نیچے دیئے ہوئے نقشے سے ملاحظہ سے بیک نظر سامنے آجاتی ہے۔

حلقہ ہائے رکنیت	دسمبر ۷۸	۷۹	۱۹۸۰ء	اضافہ ۷۹	اضافہ ۱۹۸۰ء
مؤسسین	۱۹	۱۹	۱۹	—	—
محسنین	۱۸	۲۱	۲۷	۳	۶
مستقل ارکان	۲۷	۲۷	۳۴	—	۷
عام ارکان	۱۱۶	۱۳۲	۱۴۶	۱۶	۱۴

۴۔ یہ امر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ پہلے اجلاس عام کے موقع پر جو ۲۹۔اپریل ۷۳ء کو منعقد ہوا مؤسسین کی تعداد ۲۰، محسنین کی تعداد ۳ مستقل ارکان کی تعداد ۲۵ اور عام ارکان کی تعداد ۷۹ تھی۔ اس طرح انجمن کی تاسیس کے بعد سے ۱۹۸۰ء کے آخر تک یعنی گذشتہ ۸ سالوں میں جو مختلف حلقہ ہائے رکنیت میں کمی/بیشی ہوئی نیچے دیئے ہوئے نقشے میں درج کردی گئی ہے۔ اس کے مطابق مؤسسین کی تعداد میں ایک

رکن کی کمی ہوئی جو قضائے الٰہی سے وفات پا گئے ۔ محسنین کی تعداد میں ۲۴ کا اضافہ ہوا۔ مستقل ارکان میں ۲۹ کا اضافہ ہوا۔ اور عام ارکان کی تعداد میں ۶۷ کا اضافہ ہوا ۔

حلقہ رکنیت	تعداد اپریل ۱۹۷۳ء	تعداد دسمبر ۱۹۸۰ء		
مؤسسین	۲۰	۱۹	۱	کمی
محسنین	۳	۲۷	۲۴	اضافہ
مستقل ارکان	۵	۳۴	۲۹	اضافہ
عام ارکان	۷۹	۱۴۶	۶۷	اضافہ

حضرات ، انجمن کے قواعد و ضوابط کی رو سے انجمن کی ہیئت انتظامیہ ایک صدر اور ایک مجلس منتظمہ پر مشتمل ہے ۔ مجلس منتظمہ اپریل ۸۰ء تک بارہ ارکان پر مشتمل تھی جس میں دس ارکان منتخب اور دو ارکان صدر مؤسس کے نامزد کردہ تھے ۔ لیکن مجلس منتظمہ نے اپنے ماہانہ اجلاس میں جو ۱۶ مارچ ۸۰ء کو منعقد ہوا ایک ترمیم کے ذریعے جس کی مرکزی ریونیو بورڈ سے بھی منظوری حاصل کر لی گئی مجلس منتظمہ کے ارکان کی تعداد ۱۲ سے بڑھا کر چودہ کر دی ۔ اور یہ بھی طے کیا کہ چھ ارکان کو مؤسسین اور محسنین ملکر منتخب کیا کریں گے ۔ اور دو کو مستقل ارکان اور چار کو عام ارکان منتخب کریں گے ۔ جب کہ دو نامزد ارکان صدر مؤسس حسب سابق منتخب کیا کریں گے۔ اس طرح جہاں مجلس منتظمہ کے ارکان کی تعداد ۱۲ سے ۱۴ ہو گئی ۔ وہاں مؤسسین اور محسنین کو ملا کر دو انتخابی حلقوں کی بجائے ایک حلقہ بنا دیا گیا ۔

۶ ۔ مجلس منتظمہ کا انتخاب قواعد و ضوابط کی رو سے ہر دو سال بعد خفیہ رائے دہی کے ذریعے سالانہ اجلاس عام کے موقعہ پر ہوتا ہے ۔ ۱۹۷۸ء کے انتخاب کے نتیجے میں اپریل ۸۰ء تک جو مجلس منتظمہ صدر مؤسس کی معاونت کر رہی تھی ۔ اس کے ارکان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں ۔

مؤسسین میں سے
(۱) میاں محمد رشید صاحب
(۲) چوہدری نصیر احمد ورک صاحب
(۳) قمر سعید قریشی صاحب
(۴) شیخ محمد عقیل صاحب

مُحسنین میں سے	(۵) اظہار احمد قریشی صاحب
	(٦) قاضی عبدالقادر صاحب
مستقل ارکان میں سے	(۷) ڈاکٹر نسیم الدین خواجہ صاحب
	(۸) محمد بشیر ملک
عام ارکان میں سے	(۹) چوہدری محمد حبیب اللہ صاحب
	(۱۰) حاجی محمد یوسف صاحب
نامزد ارکان	(۱۱) ڈاکٹر ظہیر احمد صاحب
	(۱۲) شیخ محمد یونس صاحب

۱۹۷۸ء میں انتخاب کے فوراً بعد صدر مؤسس نے منتخب ارکان میں سے مندرجہ ذیل ممبران کو انجمن کے مختلف شعبوں کی نگرانی کے لئے نامزد کیا تھا۔

۱ -	ناظم اعلیٰ	محمد بشیر ملک
۲ -	معتمد	چوہدری نصیر احمد ورک صاحب
۳ -	ناظم بیت المال	میاں محمد رشید صاحب
۴ -	محاسب	حاجی محمد یوسف صاحب
۵ -	ناظم مکتبہ ونشرواشاعت	قمر سعید قریشی صاحب

اگست ۷۹ء میں ناظم اعلیٰ کی علالت کے پیش نظر شیخ محمد عقیل صاحب کو ناظم اعلیٰ کے فرائض سونپ دیئے گئے اور شیخ صاحب موصوف آئندہ انتخاب تک یہ فرائض ادا کرتے رہے۔

۷ - ۱۹۷۸ء کے بعد ۱۹۸۰ء انتخاب کا سال تھا۔ اس لئے سالانہ اجلاس عام کے موقع پر جو ۲۲- اپریل - ۸۰ء کو قرآن اکیڈمی میں منعقد ہوا۔ مجلس منتظمہ کا انتخاب بھی کرایا گیا۔ اس موقعہ پر راقم الحروف اللہ تبارک و تعالیٰ کی مہربانی سے صحتیاب ہو چکا تھا۔ صدر مؤسس نے ناظم انتخاب کے فرائض میرے سپرد کر دیئے یہ انتخاب ترمیم شدہ قواعد کے مطابق کرایا گیا۔ جس کے نتیجے میں مندرجہ ذیل اراکین انجمن سال ۸۰ء - ۱۹۸۱ء کے لئے مجلس منتظمہ کے رکن قرار پائے۔

حلقہ مؤسسین اور محسنین میں سے	(۱) شیخ محمد عقیل صاحب
	(۲) ڈاکٹر ظہیر احمد صاحب
	(۳) ملک فضل حسین صاحب
	(۴) قمر سعید قریشی صاحب
	(۵) قاضی عبدالقادر صاحب
	(۶) چوہدری نصیر احمد ورک صاحب
مستقل ارکان میں سے	(۷) ڈاکٹر نسیم الدین خواجہ صاحب
	(۸) محمد بشیر ملک
عام ارکان میں سے	(۹) چوہدری حبیب اللہ صاحب
	(۱۰) الطاف حسین صاحب
	(۱۱) پروفیسر اختر الحسن بھٹی صاحب
	(۱۲) شیخ محمد اشرف صاحب

مندرجہ ذیل دو حضرات کو صدر مؤسس نے نامزد کیا۔

(۱۳) میاں محمد رشید صاحب

(۱۴) میاں ظہور الحق صاحب

مندرجہ بالا انتخاب کے بعد مجلس منتظمہ کے ماہانہ اجلاس منعقدہ ۲۶ اپریل ۸۰ء میں صدر مؤسس نے مختلف شعبوں کی نگرانی کے لئے مندرجہ ذیل اعزازی ناظمین مقرر کئے

(۱) ناظم اعلےٰ	محمد بشیر ملک
(۲) معتمد	چوہدری نصیر احمد ورک صاحب
(۳) ناظم بیت المال	شیخ محمد عقیل صاحب
(۴) محاسب	شیخ محمد اشرف صاحب
(۵) ناظم مکتبہ ونشر واشاعت	قاضی عبدالقادر صاحب

۸ ۔ سال ۷۹ء اور ۱۹۸۰ء کی منتخب مجالس منتظمہ اپنے اپنے عہدہ مدت کی دوران انجمن کے روزمرہ کے کام کو بہتر طریقہ پر انجام دینے کے لئے اور انجمن کے

مقاصد کے حصول کے لئے صدر مؤسس کی معاونت کرتی رہیں ۔ قواعد و ضوابط کے مطابق ماہانہ اجلاس باقاعدگی سے ہوتے رہے جن میں انجمن کو درپیش مسائل اور انتظامی معاملات زیرِ غور آتے رہے ۔ اور ان کے متعلق مفید مشورے دیئے گئے ۔ سال ۷۹ء ۸۰ ۱۹ء میں مجلس منتظمہ کے علی الترتیب گیارہ اور سترہ اجلاس ہوئے ۔ ۷۹ء میں ایک اجلاس کورم پورا نہ ہونے کی وجہ سے منعقد نہ ہو سکا ۔ اور سال ۸۰ء میں ماہانہ اجلاسوں کے علاوہ پانچ خصوصی اجلاس منعقد کرنے کی ضرورت پیش آئی ۔

حضرات ، انجمن کی ہیئت تنظیمی کے متعلق مندرجہ بالا گذارشات کے بعد اب انجمن کی دیگر سرگرمیوں کے بارے میں گذشتہ دو سالوں کی رپورٹ پیش خدمت ہے ۔

قرآن اکیڈمی

مرکزی انجمن خدام القرآن کے اغراض و مقاصد میں ایک اہم مقصد جیسا کہ آپ حضرات کے علم میں ہے ایک ایسی قرآن اکیڈمی کا قیام ہے جو قرآن مجید کے فلسفہ و حکمت کو وقت کی اعلیٰ ترین علمی سطح پہ پیش کر سکے ۔ انجمن کے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے تعمیر کا آغاز ۱۳ جنوری ۷۶ء کو کیا گیا تھا اور اس کے متعلق سابقہ سالانہ رپورٹوں میں بھی معلومات فراہم کی جا چکی ہیں ۔ سال ۷۸ء کی رپورٹ میں اس خیال کا اظہار کیا گیا تھا کہ قرآن اکیڈمی کی تعمیر کا کام ان شاء اللہ العزیز سال ۷۹ء میں مکمل ہو جائے گا ۔ مگر ظاہر ہے کہ ہم صرف سعی و جہد ہی کر سکتے ہیں ۔ اتمام اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہے ہماری پوری کوشش کے باوجود ۷۹ء تک قرآن اکیڈمی کی تکمیل نہ ہو سکی اور تعمیر کا کام اللہ کا شکر ہے کہ اب کہیں جا کر آخری منازل طے کر رہا ہے اور اس وقت بھی چمک دمک اور نوک پلک درست کرنے کا کام ابھی باقی ہے ۔

۱۱ ۔ قرآن اکیڈمی کی عمارت جس میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے دفاتر بھی ہیں چھ کنال کے پلاٹ ۳۶/ کے ماڈل ٹاؤن لاہور پر تعمیر کی گئی ہے ۔ قرآن اکیڈمی کی تعمیر کے مختلف مراحل کے متعلق سابقہ سالانہ رپورٹوں میں بھی بحث کی جا چکی ہے ان کے بعد تعمیر جاری رہی اور جو حصے اب تک معرض وجود میں آ چکے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے ۔

۱ ۔ رہائشی بلاک جو آٹھ کوارٹروں پر مشتمل ہے ۔ چار کوارٹر پہلی منزل پر ہیں اور چار کوارٹر دوسری منزل پر۔ ہر کوارٹر میں تین کمرے سٹور ۔ باورچی خانہ ۔ غسل خانہ ۔ اور کمروں کے درمیان نشست گاہ ہے ۔ پہلی منزل کے کوارٹروں کے پیچھے صحن ہے اور بالائی منزل میں چھت پر جانے کے لئے سیڑھیاں مہیا کر دی گئی ہیں اور چھت پر ایک برساتی بھی تعمیر کر دی گئی ہے ۔ ہر کوارٹر میں پانی ، گیس اور بجلی کی سہولت موجود ہے۔

۲ ۔ نچلے درجہ کے عملے کے لئے تین سنگل روم کوارٹر تعمیر کئے ہیں اور ہر ایک میں ایک کمرہ ایک برآمدہ، ایک غسل خانہ اور صحن موجود ہے ۔ ان کوارٹروں میں بھی پانی، بجلی اور گیس کی سہولت موجود ہے ۔

۳ ۔ قرآن اکیڈمی کے طلباء کے لئے دو منزلہ ہاسٹل تعمیر کیا گیا ہے جسے دارالمقامہ کا نام دیا گیا ہے ۔ ہر منزل میں پانچ کیوبیکل اور تین ڈار میٹریاں ہیں ۔ اس ہاسٹل کی پہلی منزل میں سردست انجمن کے صدر دفاتر کو جگہ دی گئی ہے ۔ اور دوسری منزل میں معہد ثانوی جس کا ذکر آگے آئے گا کے طلباء کو رکھا گیا ہے ۔ ہاسٹل پر مزید چار منزلیں تعمیر کرنے کی گنجائش موجود ہے ۔

۴ ۔ تدریس کے لئے دو کلاس روم اور ایک ہال تہہ خانے میں تعمیر کئے گئے ہیں ۔

۵ ۔ تہہ خانے کے اوپر ایک مسجد ہال تعمیر کیا گیا ہے جسے جامع قرآن کا نام دیا گیا ہے مسجد ہال کے اطراف میں دائیں اور بائیں جانب خواتین کے لئے ہال اور ایک اسٹیج کی تعمیر کی گئی ہے ۔ جو مسجد ہی کا حصہ ہیں ۔ مسجد کے آگے صحن ہے اور صحن کی دائیں جانب وضو کرنے کی جگہ اور چار غسل خانے ہیں ۔ خواتین کے لئے اپنے ہال تک پہنچنے کے لئے الگ گزرگاہ بنائی گئی ہے ۔ اور وضو کرنے کی جگہ اور دو غسل خانے مہیا کئے گئے ہیں

۶ ۔ ہاسٹل کے طلباء کے لئے ایک باورچی خانہ اور متعدد غسل خانے اور طہارت خانے الگ الگ تعمیر کئے گئے ہیں ۔

۱۲ ۔ ۲۱ ۔ اپریل ۷۷ ۱۹ء کے سالانہ اجلاس میں جو پانچ سالہ رپورٹ پیش کی گئی تھی اس میں اندازہ لگایا گیا تھا کہ قرآن اکیڈمی کے پورے منصوبے کی تکمیل پہ اندازاً پندرہ لاکھ روپے صرف ہوں گے ۔ ۱۹۸۰ء کی بیلنس شیٹ کے مطابق دسمبر

۸۰ء تک اس منصوبے پر ۷ ۹۹ ، ۳ ، ۱۶ روپے خرچ ہو چکے ہیں اور کچھ کام ابھی باقی ہے۔

۱۲ - جہاں تک قرآن اکیڈمی میں علمی اور تدریسی سرگرمیوں کا تعلق ہے قرآن اکیڈمی کے قیام کا مقصد تو یہ ہے کہ یہ عمومی دعوت و تبلیغ کا ایک ایسا ادارہ بن جائے جو ایک طرف تو عوام کو تجدید ایمان اور اصلاح اعمال کی دعوت دے اور دوسری طرف ایسے ذہین نوجوان تلاش کرے جو پیش نظر علمی کام کے لئے زندگیاں وقف کرنے کو تیار ہوں۔

حضرات، جہاں تک تو عوام کو تجدید ایمان اور اصلاح اعمال کی دعوت دینے کا تعلق ہے اس ضمن میں جو کام کیا گیا ہے اس کی تفصیلات تبلیغی سرگرمیوں کے عنوان کے تحت اسی رپورٹ کے اگلے صفحات میں درج کر دی گئی ہیں۔ لیکن جہاں تک پیش نظر کام کے لئے نوجوانوں کی تلاش کا تعلق ہے میں چند سنہری الفاظ اور خوبصورت محاورات کا سہارا لے کر اس رپورٹ کے صفحات کو مزین کرنا نہیں چاہتا بلکہ حالات و حقائق پر نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ آپ کے گوش گذار یہ کرنا چاہتا ہوں کہ ہم ناامید ہرگز نہیں ہیں گھونسلے تیار کر دیئے گئے ہیں پرندے جب بھی آکر بسیرا کر لیں وہ اپنی نشو و نما کا بندوبست موجود پائیں گے۔ اس ضمن میں انجمن کی طرف سے جو کوششیں کی گئی ہیں وہ آپ حضرات کے سامنے ہیں۔ اور جنہیں میں آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

حضرات، آپ کو معلوم ہے کہ ایک صاحب خیر نے قرآن اکیڈمی کے قیام سے پہلے چھ کنال کا ایک پلاٹ ماڈل ٹاؤن کے ی بلاک میں انجمن کے نام کر دیا تھا۔ لیکن جامعہ پنجاب کے نوجوان طلباء سے قریبی رابطہ کی غرض سے اس پلاٹ کو فروخت کر دیا گیا اور اس کے عوض اس رقبے کا ایک پلاٹ ماڈل ٹاؤن کے بلاک کے، میں خرید لیا گیا جس پر قرآن اکیڈمی تعمیر کی گئی ہے۔ یہ پلاٹ جامعہ پنجاب کے ہاسٹلوں سے صرف نصف میل کے فاصلے پر ہے۔ یہاں جونہی دو کمرے ایک ہال تدریس کے لئے اور ہاسٹل کی پہلی منزل تعمیر ہو گئی انجمن کی طرف سے مشتہر کر دی گئی کہ یونیورسٹی اور کالجوں میں زیر تعلیم جو نوجوان قرآن اکیڈمی میں رہائش رکھنے کے خواہش مند ہوں انہیں رہائش پانی اور بجلی کی سہولتیں بغیر کسی معاوضہ کے

دی جائیں گی ۔ شرط صرف یہ رکھی گئی کہ ایسے طلباء کو حکمت قرآنی ۔عربی اور حدیث سیکھنے کے لئے ایک گھنٹہ روزانہ قبل از نماز مغرب اور ایک گھنٹہ بعد از نماز مغرب اس مقصد کے لئے وقف کرنا ہوگا ۔ضروری کوائف حاصل کرنے کے لئے ایک فارم داخلہ وضع کیا گیا تدریس کے لئے معلم کا بندوبست کیا گیا ۔ صدر مؤسس نے بھی تدریس کے معاملہ میں ذاتی دلچسپی لی اور سولہ لڑکوں پر مشتمل ایک کلاس کا اجراء ہوگیا ۔ کچھ عرصہ تک تو یہ کلاس پروگرام کے مطابق جاری رہی لیکن پھر یہ حقیقت سامنے آئی کہ کلاس کے شرکاء طالب علم الا ماشاء اللہ اکثر ایسے تھے جو رہائش کے مسئلے سے دوچار تھے اور انہوں نے دینی تعلیم کی بجائے قرآن اکیڈمی میں اقامتی سہولتوں کی خاطر ادھر رجوع کیا تھا ۔اس لئے جوں جوں ان کا اکیڈمی سے باہر رہائش کا مسئلہ حل ہوتا گیا انہوں نے کالج اور یونیورسٹی کے ہاسٹلوں میں اپنے ہمجولیوں کے ہمراہ رہنا زیادہ پسند کیا ۔ان طلباء میں ایسے بھی تھے جنہیں مستحق گردانتے ہوئے انجمن کی طرف سے رہائش کے علاوہ طعام کے اخراجات میں بھی امداد دی گئی تھی ۔ مگر جونہی ان کی دنیوی تعلیم پوری ہوئی وہ اپنے گھروں کو چلے گئے ۔ طلباء اس طرح آتے اور جاتے رہے ۔ یہاں تک کہ کلاس کی باقاعدگی ختم ہوگئی ۔ اور اس وقت صورت حال یہ ہے کہ کالج اور یونیورسٹی کی سطح کے صرف تین چار طالب علم اکیڈمی کے ہاسٹل میں اقامت پذیر ہیں ۔

۱۴ ۔ **معہد ثانوی** اپریل ۸۰ء میں انجمن کی طرف سے ایک نئی تعلیمی اسکیم کے تحت مڈل پاس یا اس کے مساوی تعلیم کے حامل طلباء سے قرآن اکیڈمی میں ایک اقامتی درسگاہ کے آغاز کا اعلان کیا گیا اس اسکیم کے مطابق طلباء کو اصلاً دو زبانیں پختہ طور پر پڑھائی جانے کا اہتمام تھا ۔ یعنی عربی اور انگریزی اور ان کے علاوہ میٹرک کے لازمی مضامین یعنی اسلامیات اُردو، مطالعہ پاکستان اور اختیاری مضامین میں سے جنرل سائنس اور جنرل ریاضی لازمی طور پر اور اسلامیات اور شہریت (سوکس) میں سے کوئی ایک مضمون پڑھایا جانا شامل تھا ۔ اور دو سال میں پرائیویٹ میٹرک کا امتحان دلوانے کا بندوبست تھا اور اگلے سال ادیب عربی کا امتحان دلوایا جانا تھا ۔ مقصد یہ تھا کہ اس طرح ایک اضافی سال

کے صرف سے دینی اور دنیوی دونوں میدانوں میں اعلےٰ تعلیم کا راستہ کھل جائے گا۔ اور اگر اللہ کو منظور ہوا تو اس اسکیم کو آگے بڑھا کر ایک جانب بی۔اے اور دوسری جانب فاضل عربی کے امتحانات دلوا دیئے جائیں گے۔ ساتھ ہی اس درسگاہ کے طلباء کی دینی اور اخلاقی تربیت کا بھرپور اہتمام اسکیم کا جزو لاینفک تھا تاکہ طلباء میں نہ صرف صحیح اسلامی اخلاق پیدا ہوں بلکہ اعلائے کلمۃ اللہ کی سعی کا جذبہ اور حصول مرتبہ شہادت کا شوق پیدا ہو اور ان ہی میں سے ایک طرف اعلےٰ معیار کے محقق اور مصنفین پیدا ہو سکیں تو دوسری طرف دعوت و تحریک اسلامی کو مخلص کارکن مہیا ہو جائیں۔

اس اقامتی درسگاہ میں قیام و طعام کا بندوبست بھی ضروری تھا۔ لہٰذا طلباء کے لئے اڑھائی صد روپیہ ماہنامہ کی ادائیگی دو صد برائے طعام اور پچاس روپے بطور فیس ضروری قرار دی گئی۔ البتہ باصلاحیت اور ذہین طلباء کو جن کے والدین خرچ برداشت نہ کر سکتے ہوں انجمن کی طرف سے ان کو کل یا نصف کے برابر وظیفہ دینے کی گنجائش اسکیم میں رکھی گئی۔

اس اسکیم کے تحت ۱۶ طلباء نے داخلے کی درخواست کی جن میں چودہ رہائشی اور دو غیر رہائشی تھے اور چونکہ یہ تعداد بہت کم تھی اس لئے بغیر ٹیسٹ لئے ان سب کو داخل کر لیا گیا۔ اور ۵ امئی ۱۹۸۰ء سے مجوزہ درسگاہ کا آغاز کر دیا گیا۔ اس طرح افتتاحی کلاس میں جہاں چند اچھے طلباء بھی شامل ہوئے وہاں ایسے طلباء بھی داخل ہو گئے جن کا تعلیمی اور ذہنی معیار اوّل الذکر طلباء سے بہت نیچے تھا۔ ایسے کچھ طلباء رفتہ رفتہ درسگاہ سے کنارہ کش ہو گئے اور اس وقت طلباء کی تعداد کم ہو کر دس رہائشی اور ایک غیر رہائشی رہ گئی ہے۔

اس درس گاہ پر جسے معہد ثانوی کا نام دیا گیا ۱۵ امئی ۸۰ء سے دسمبر ۸۰ء تک جو اخراجات ہو چکے ہیں ان کی تفصیل تو آپ کو اس رپورٹ سے منسلک انجمن کے اکاؤنٹ کے گوشواروں میں ملے گی۔ مگر کل رقم جو انجمن نے معہد ثانوی کے اخراجات پورے کرنے کے لئے زکواۃ فنڈ سے صرف کی وہ ۲۱۲۶۸ روپے ہے۔ اس ضمن میں یہ ظاہر کر دینا بھی ضروری ہے کہ تین مستحق طلباء کے ماہانہ اخراجات

کا ذمہ انجمن کے وابستگان میں سے دو حضرات نے لیا ہوا ہے۔ اور وہ مقررہ رقم انجمن کو ادا کر رہے ہیں۔

۱۵۔ **ایک نئی اسکیم**: قرآن اکیڈمی کے نصب العین کی طرف پیشقدمی کرتے ہوئے ایک تیسری اسکیم کا ابتدائی خاکہ صدر مؤسس نے مجلس منتظمہ کے ماہانہ اجلاس منعقدہ ۱۵۔اگست ۱۹۸۰ء میں پیش کیا تھا۔ تجویز یہ تھی کہ آئندہ سال سے ایم اے یا ایم ایس سی پاس طلباء کے لئے جو قرآنی تعلیم میں خصوصی دلچسپی رکھتے ہوں دو سالہ تربیتی کورس منعقد کیا جائے۔ جس کے دوران شرکاء کو پانچ صد روپیہ ماہانہ وظیفہ بھی دیا جائے۔ مزید یہ کہ اس کورس میں پی ایچ ڈی حضرات کو بھی دعوت شمولیت دی جائے، بشرطیکہ وہ ہمہ وقت قرآن اکیڈمی کے پروگرام کے مطابق شرکت کر سکیں۔ یہ تجویز منظور کی گئی اور اس کا اعلان بھی کر دیا گیا مگر افسوس کہ اس اسکیم پر لبیک کہنے والا کوئی نہ ملا۔ اس تجویز پر مجلس منتظمہ نے اپنے اجلاس مؤرخہ ۱۲۔دسمبر ۸۰ء میں دوبارہ غور کیا اور غور و فکر کے بعد مجلس منتظمہ کی غالب اکثریت اسی حق میں پائی گئی کہ اعلےٰ تعلیم یافتہ نوجوان جو ایم اے یا ایم ایس سی پاس کرنے کے بعد اپنی زندگیاں حکمت قرآن سمجھنے اور اس کی نشر و اشاعت کے لئے وقف کرنے پر آمادہ ہوں ایسے زیر تربیت طلباء کو ماہانہ وظیفہ پانچ صد کی بجائے ساڑھے سات سو دیا جائے۔ لیکن اس بارے میں حتمی فیصلہ آئیندہ ماہانہ اجلاس تک التوا میں رکھا گیا۔ اور آئندہ اجلاس میں جب یہ تجویز پھر زیر غور آئی تو فیصلہ یہ کیا گیا کہ اس پروگرام کی تفصیلات آئندہ سالانہ اجلاس کے موقعہ پر وابستگان انجمن کے عمومی اجلاس میں طے کی جائیں۔ مجھے اُمید ہے کہ جناب معتمد چوہدری نصیر احمد ورک صاحب آج اس تجویز کو حتمی فیصلے کے لئے آپکے سامنے رکھیں گے۔

تبلیغی سرگرمیاں

۱۶۔ قرآن اکیڈمی کی تعمیر اور منصوبے کا جائزہ پیش کرنے کے بعد اب میں عرصہ زیر رپورٹ کے دوران مرکزی انجمن خدام القرآن کی تبلیغی سرگرمیوں کے متعلق ایک

مختصر رپورٹ آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں ۔

حضرات، جیساکہ آپ کے علم میں ہے انجمن کے دعوتی اور تبلیغی پروگرام کا مرکزی کردار انجمن کے صدر موسس کی ذات گرامی ہے ۔ وہی اپنی تحریک کے محرک اور داعی ہیں ان کے اعوان و انصار میں سے بحمد اللہ کچھ نوجوان ان کے راستے پر گامزن ہونے کی سعی کر رہے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ان کے ارادوں اور کوششوں کو کامیاب فرمائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ گذشتہ آٹھ سال سے انجمن کی تبلیغی سرگرمیاں اسی ایک محور کے گرد گھوم رہی ہیں نتیجتہً ڈاکٹر صاحب کی صحت پر ناخوشگوار اثرات کا مرتب ہونا ایک قدرتی بات تھی اور دو ایک دفعہ تو ایسا بھی ہوا کہ ان کو بحالی صحت کی خاطر سلسلہ درس بند کر دینا پڑا بہرحال جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال ہے ۔ ڈاکٹر صاحب سے سرگرم عمل رہنے کی اُمید قائم ہے ۔

۱۷ ۔ دروس کی مستقل نشستیں تو لاہور ہی میں ہیں جہاں مسجد شہداء میں سلسلے وار درس قرآن جاری ہے اور ہر جمعہ کو صبح دس بجے سے قریبًا ساڑھے گیارہ بجے تک درس دینے کا اہتمام ہے ۔ پھر اس روز مسجد دار السلام باغ جناح میں اجتماع جمعہ سے خطاب کیا جاتا ہے اور یہاں بھی تذکیر بالقرآن کا سلسلہ ایک عرصے سے جاری ہے ۔ ملکی ریڈیو اور ٹیلیویژن کے ذریعے بھی جب کبھی ان محکموں کی انتظامیہ کی طرف سے دعوت موصول ہوئی قرآن حکیم کا پیغام عوام الناس تک پہنچایا گیا ۔ انجمن کے اپنے جریدے ماہانہ میثاق کے ذریعے تبلیغ ہوتی رہی ۔ اس کے علاوہ لاہور اور بیرون لاہور سے جب بھی کسی سرکاری یا غیر سرکاری ادارے کی طرف سے دعوت ملی اس کو غنیمت جان کر بلا تامل قبول کیا گیا ۔ بیرون ملک کینیڈا اور امریکہ سے کچھ احباب کی طرف سے دعوت ملی تو سال ۷۹ء اور ۸۰ء میں ان ممالک کا سفر اختیار کیا گیا ۔ اس طرح اندرون ملک اور بیرون ملک جو تبلیغی کام کیا گیا اس کے متعلق ایک اجمالی رپورٹ آئندہ سطور میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔

۱۸ ۔ سال ۷۹ء میں عید میلاد النبی سرکاری طور پر باقاعدہ جشن کے طور پر منائی گئی اور سرکاری اور نیم سرکاری اداروں میں سیرت النبیؐ کے اجتماعات منعقد ہوئے تو ابلاغ و تبلیغ کے اعتبار سے ان کی اہمیت کے پیش نظر ڈاکٹر صاحب نے بھی ان اجتماعات میں حصہ لیا اور ۲۹ جنوری ۷۹ء سے لے کر ۷ مارچ تک ۳۸ دنوں میں

۳۸ تقریریں سیرتُ النبیؐ کے موضوع پر کیں جن میں سے ۱۹ لاہور میں اور ۱۹ بیرون لاہور کی گئیں اور اس عرصہ کے دوران درس قرآن اور خطبات جمعہ کے معمولات میں بھی کوئی فرق نہ آیا ان ایام میں مصروفیت کا یہ عالم رہا جو میں ایک مثال سے واضح کرنا چاہتا ہوں۔ جمعہ ۹ فروری کو ڈاکٹر صاحب نے پہلے مسجد شہداء میں معمول کے مطابق دو گھنٹے درس قرآن دیا پھر مسجد دارالسلام میں خطبہ جمعہ دیا اور نماز پڑھائی پھر تین بجے سہ پہر پاکستان اسکاؤٹ گروپ کے اجتماع میں تقریباً پون گھنٹہ تقریر کی پھر سیدھے فیصل آباد روانہ ہو گئے جہاں بعد نماز عشاء لگ بھگ دو گھنٹے کی تقریر یونیورسٹی کے سینٹ ہال میں ہوئی پھر راتوں رات وہاں سے لاہور واپس آ گئے۔ حضرات! یہ ایک واقعہ میں نے مثال کے طور پر تحریر کیا ہے ورنہ دوران سال اس قسم کی اور بھی مثالی مصروفیات ہیں، جو بیان کی جا سکتی ہیں۔ ایسی مصروفیات ڈاکٹر صاحب کی صحت پر اثر انداز ہوتی رہیں۔ مگر محض اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم سے طبیعت میں ایک شدید رد عمل کے باوجود انہوں نے ماڈل ٹاؤن کی جامع مسجد ای بلاک، مسجد بڑھیاں۔ جامع مسجد شاہ جمال کالونی - جامع مسجد پونچھ ہاؤس کالونی۔ مسجد المدینہ انفنٹری روڈ، مصطفےٰ آباد اور مسجد ذیلداراں ڈھولنوال سرکاری محکموں میں دفتر اڈیٹر جنرل پاکستان دفتر کمشنر، انکم ٹیکس - دفتر اے پی پی - ریلوے ہیڈکوارٹر آفس دفتر ایس ای واپڈا - پی سی ایس آئی ار فوجی جوانوں کا ایک اجتماع پاک اسکاؤٹس گروپ دفتر لائف انشورنش - تعلیمی اداروں میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج - ایچی سن کالج پاک مدرسہ برائے طالبات اچھرہ - گورنمنٹ گرلز کالج برائے خواتین - ماڈل ٹاؤن لاہور میں سیرتُ النبیؐ پر تقاریر کیں۔

۱۹ - اسی طرح کراچی میں آٹھ تقریریں کی گئیں جن میں سے آخری تقریر تو ایک ایسے اجتماع میں تھی جو جلسہ عام کا منظر پیش کر رہا تھا جس میں دو ڈھائی ہزار افراد شریک تھے۔ اس طرح حیدر آباد۔ سکھر ملتان - فیصل آباد اور اسلام آباد کے اجتماعات میں تقاریر کی گئیں۔ یہ سب تقاریر ربیع الاوّل میں سیرتُ النبیؐ کے موضوع پر ہوئیں۔ اگر میں عرصہ زیر رپورٹ یعنی سال ۷۹ - ۱۹۸۰ء میں کی جانے والی تمام تقریروں کا ذکر کرنے لگوں تو یہ ایک لامتناہی سلسلہ بن جائے گا۔ اور رپورٹ کی غیر ضروری طوالت کا

باعث بنے گا۔ تقریر کے ذریعہ تبلیغ و ابلاغِ قرآن کے لئے جو کچھ ہوا اس کا آپ مندرجہ بالا اجمالی رپورٹ سے اندازہ کر سکتے ہیں اور یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی تائید و نصرت سے ممکن ہو سکا۔ فلله الحمد والمنة۔

تبلیغ بذریعہ ریڈیو اور ٹی وی

۲۰ ۔ جنوری ۷۹ء میں ہر جمعہ کی صبح کو ریڈیو پاکستان سے سورہ الاعراف کی آخری گیارہ آیات کی تشریح پر مشتمل چار تقریریں نشر کی گئیں ۔ اس طرح فروری ۷۹ء میں بھی سورہ انفعال کی ابتدائی دس آیات کی تشریح پر مشتمل چار تقریریں ہر جمعہ کی صبح کو نشر ہوئی اور پھر اس سورہ مبارکہ کی آیات ۱۱ تا ۱۸ پر مشتمل تین تقاریر ماہ مارچ میں پہلے تین جمعوں کی صبح ریڈیو پاکستان سے نشر ہوئیں : بعدازاں دو تقریریں مزید نشر کی گئیں جن میں سورہ انفعال کی آیات ۲۰ تا ۲۴ کی تشریح کی گئی پھر سورہ یونس کی آیات ۱۷ تا ۶ ۷ کی تشریح پر مشتمل ۲ تقریریں نشر کی گئیں ۔ان نشری تقاریر کا سلسلہ عرصہ زیر رپورٹ کے دوران جاری رہا۔ ان میں سے بعض نشری تقریریں انجمن کے ماہانہ جریدہ "میثاق" میں طبع کر کے قارئین کی نظر کر دی گئی ہیں ۔

۲۱ ۔ ابلاغ قرآن کے لئے جیسا کہ اوپر تحریر کیا جا چکا ہے ۔ ٹیلیویژن کو بھی استعمال کیا گیا اور اس ضمن میں پاکستان ٹیلیویژن کارپوریشن اور حکومت نے جب بھی موقع فراہم کیا اسے بخوشی قبول کرتے ہوئے اور غنیمت جان کر اپنے مقصد کے حصول کے لئے تقاریر ٹیلی کاسٹ کرائی گئیں "الکتاب" کے عنوان سے سال ۷۸ء کے رمضان المبارک میں روزانہ ایک پارہ کا خلاصہ پیش کیا گیا تھا۔ یہی پروگرام ۷۹ء کے رمضان المبارک میں دہرایا گیا۔ پھر سال ۱۹۸۰ء کے رمضان المبارک میں "الف ۔لام ۔میم" کے عنوان سے روزانہ حروف مقطعات والی سورتوں کا خلاصہ بیان کیا گیا ۔

علاوہ ازیں اپریل ۷۹ء میں پاکستان ٹیلیویژن لاہور کے پروگرام "نظام زندگی" کے تحت "اسلام میں اقلیتوں کا مقام" کے موضوع پر ایک تقریر ریکارڈ کرائی گئی اور ۸۰ء میں پروگرام "ام الکتاب" کے لئے تین تقاریر ریکارڈ کرائی گئی جو پاکستان ٹیلی ویژن لاہور نے نشر کیں یہ چند ایک مثالیں ہیں جو آپ کی اطلاع کے لئے یہاں درج کر دی گئیں ہیں۔ ورنہ ٹی وی کے کئی اور پروگرام بھی ہیں جن میں ڈاکٹر صاحب نے انجمن

کے مقصد کے فروغ کے لئے تقریریں کیں اور مذاکرات میں حصہ لیا۔

بیرون ممالک تبلیغی دورے

۲۱۔ سال ۷۹ء اور ۸۰ء کے دوران اللہ تعالیٰ نے بیرونی ممالک میں تبلیغ کے لئے مواقع فراہم کئے۔ ڈاکٹر صاحب کے دروس کے تذکرے امریکہ۔ کینیڈا۔ اور بعض دیگر ممالک میں کچھ عرصہ سے ہو رہے تھے۔ لیکن تعارف کا ایک موثر ذریعہ ڈاکٹر صاحب کے دروس کے کیسٹ بنے جو لوگ ڈاکٹر صاحب کے درسوں میں شریک ہوتے رہے وہ جب ملازمت یا کاروبار کے سلسلے میں بیرون ممالک گئے تو ان میں سے بعض حضرات دروس کے کیسٹ بھی ساتھ لے گئے ان حضرات کی وساطت سے بیرونی ممالک میں مطالعہ قرآن کے لئے حلقے بھی قائم ہوئے جہاں ڈاکٹر صاحب کے دروس کے کیسٹ سنے گئے اور رفتہ رفتہ دروس قرآن کے لئے حلقوں کی طرف سے دعوت نامے آنے شروع ہو گئے ۱۹۷۹ء میں امریکہ اور کینیڈا میں قائم اسلامی اداروں کی طرف سے دعوت نامے موصول ہونے پر دورے کا ایک پروگرام مرتب کیا گیا۔ بالٹی مور (امریکہ) میں نماز عید الفطر کی امامت اور اجتماع کو خطاب کرنے کا پروگرام بنا پھر اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن کے سالانہ اجلاس جو امریکہ کے شہر ڈیلاس میں ۳۰؍اگست کو ہو رہا تھا مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کرنے اور انگریزی زبان میں پیپر پڑھنے کی دعوت ملی۔ علاوہ ازیں کینیڈا کے شہر ٹرانٹو میں دو ہفتوں کے دوران منتخب قرآنی نصاب کا درس بھی پروگرام میں شامل تھا اس پروگرام کے دوران جو ۲ اگست ۷۹ء سے لیکر ۲۔ اکتوبر کو ختم ہوا۔ بالٹی مور۔ ڈلاس۔ شکاگو۔ ٹرانٹو کے علاوہ کئی دوسرے مقامات پر بھی درس کی محفلیں ہوئیں۔ ۷۹ء کے دورہ کے دوران ڈاکٹر صاحب کے دروس قرآن کا یہ اثر ہوا کہ سال ۸۰ء میں دوبارہ دورے کی دعوت وہیں مل گئی جس کے نتیجے میں ۲۲؍اگست ۸۰ء سے شروع ہو کر لگ بھگ دو ماہ کینیڈا اور امریکہ کا پھر دورہ کیا گیا۔ ٹرانٹو میں دو ہفتے مسلسل درس قرآن اور خطابات عام کا سلسلہ جاری رہا۔ یہیں سے دو دنوں کے لئے اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن آف نارتھ امریکہ کے سالانہ کنونشن میں شرکت کی جو اس دفعہ نیاگرا سٹی کے ہوٹل شرٹن میں منعقد ہوا۔ جہاں ڈاکٹر صاحب نے "پندرھویں صدی ہجری کے چیلنج۔

خطرات اور توقعات' کے عنوان پر مقالہ پڑھا ۔ اس سال مسلسل گیارہ دن شکاگو میں قیام رہا ۔ جہاں روزانہ درس قرآن کے علاوہ بہت اجتماعات میں خطاب کیا گیا ۔ اس دورے کی تفصیلات بھی ماہنامہ میثاق میں چھپ چکی ہیں ۔ سال ۸۰ء کے دورے کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ٹورانٹو اور شکاگو دونوں شہروں میں ذیلی انجمن خدام القرآن کا قیام عمل میں آچکا ہے دُعا کیجئے کہ اللہ تعالےٰ ان انجمنوں کے مؤسسین کو استقامت اور ہمت عطا فرمائے اور یہ انجمن فعال بن کر کینیڈا اور امریکہ میں دین خداوندی کو پھیلانے کا ایک مؤثر ذریعہ بن سکیں ۔

۲۲ ۔ ۱۹۸۰ء کے دورہ کینیڈا اور امریکہ کے متصلاً قبل اسلام آباد میں حکومت پاکستان کے زیر اہتمام علماء کنونشن منعقد ہوا تھا ۔ جس میں ڈاکٹر صاحب کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی تھی اور کنونشن سے چار روز قبل ۱۷۔ اگست کو مجوزہ کنونشن کے ضمن میں جو خصوصی مشاورتی اجلاس منعقد ہوا تھا ۔ اس میں بھی محترم صدر پاکستان کی خواہش کے مطابق ڈاکٹر صاحب نے شرکت کی ۔

۲۳ ۔ مارچ ۱۹۸۰ء میں جشن دیوبند منعقدہ ہوا جس میں شرکت کی دعوت ملنے پر ڈاکٹر صاحب دیوبند تشریف لے گئے ۔ اس سے قبل ماہ فروری ۸۰ء میں ڈاکٹر صاحب نے علی گڑھ اور لکھنو کا سفر اختیار کیا اور اس سفر کے دوران حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ اور مولانا محمد منظور نعمانی صاحب سے ملاقاتیں ہوئیں ان دونوں اسفار کی تفصیلات میثاق میں شائع ہو چکی ہیں ۔ یہاں اگر انہیں دھرایا جائے تو غیر ضروری طوالت کے مترادف ہوگا ۔

شعبۂ نشرواشاعت

۲۴ ۔ دعوتُ تبلیغ کا ایک مؤثر ذریعہ نشرواشاعت ہے ۔ انجمن کے اس شعبے میں مرکزی انجمن کا ایک کتب خانہ عرصہ زیر رپورٹ میں بفضل تعالےٰ مسلسل کام کرتا رہا اور انجمن کا ماہانہ جریدہ میثاق بھی اپنی روایتوں کو برقرار رکھتے ہوئے ایک علمی اور دعوتی حیثیت سے جاری ہوتا رہا ۔ میں پہلے میثاق کے متعلق کچھ عرض کرونگا اور بعدہ مکتبہ کی کارگزاری آپ کی خدمت میں پیش کی جائے گی ۔

۲۵ ۔ عرصہ زیر رپورٹ یعنی جنوری ۷۹ء سے لے کر دسمبر ۸۰ء کے دوران میثاق

کی اٹھائیسویں اور انتیسویں جلدیں شائع ہوئی ۔ جنوری فروری ۷۹ء اور مئی جون کے شمارے ایک ساتھ شائع کرنے پڑے لیکن مارچ، اپریل اور جولائی تا دسمبر ۷۹ء میثاق ہر ماہ باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا ۔ سال ۸۰ء میں ان وجوہات کی بنا پر جو میثاق میں بیان ہوتی رہی یہ رسالہ صرف سات بار شائع ہو سکا ۔ فروری ۔ اپریل اگست اکتوبر ۔ اور دسمبر میں دو ۔ دو ماہ کا شمارہ یکجا کر کے شائع کرنا پڑا اور اس طرح ۷۹ء میں کل دس اور ۸۰ء میں کل سات شمارے شائع ہو سکے ۔ مگر قارئین میثاق نے محسوس کیا ہوگا کہ باقامت کہتر اور باقیمت بہتر کے مصداق ان شماروں میں جو مضامین قارئین کی نظر کئے گئے وہ قدر و قیمت کے اعتبار سے بیش بہا موتیوں سے کم نہ تھے ۔

ڈاکٹر صاحب کی نشری تقاریر اور تحریروں کے علاوہ قرآن کانفرنسوں میں بلند پایہ دانشوروں اور علمائے کرام نے جو مقالے پڑھے وہ میثاق میں شائع کئے گئے ۔ علاوہ ازیں جید علماء اہل علم حضرات مثلاً مولانا سید وصی مظہر ندوی ۔ مولانا سید حامد میاں ۔ پروفیسر حافظ احمد یار ۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی ۔ محترم غازی عزیر صاحب (علی گڑھ) مولانا عبدالغفار حسن صاحب ۔ محمد یونس جنجوعہ ۔ حکیم فیض عالم صدیقی ۔ پروفیسر رفیع اللہ شہاب حافظ منظور احمد ۔ ڈاکٹر اختر الواسع کے تحریر کردہ مقالہ جات و مضامین شائع کئے گئے ۔

۲۶ ۔ مکتبہ انجمن کے مطبوعات کی فہرست تو الگ چھپی ہوئی موجود ہے اس میں جو اضافہ کیا گیا وہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی چند کتب کے انگریزی تراجم ہیں جس کے انگریزی ٹائیٹل مندرجہ ذیل ہیں ۔

1- The obligations Muslims owe to the Quran.

2- The way to Salvation in the Right of Sura AL-Asar.

3- Islamic Renaissance the Real Task Ahead

4- The Quran and World Peace.
5. Rise and Decline of Muslim Ummah.

علاوہ ازیں ڈاکٹر صاحب کی کتاب مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق کا عربی ترجمہ بھی چھپ چکا ہے۔

۲۷۔ ۱۹۷۹ء اور ۱۹۸۰ء میں مکتبہ کی جن کتابوں کے مزید ایڈیشن چھاپنے پڑے وہ مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ عظمت صوم اگست ۷۹ء	۲۰۰۰	دوبارہ
۲۔ قرآن مجید کے حقوق اردو جولائی ۷۹ء	۵۰۰۰	بار پنجم
۳۔ قرآن مجید کے حقوق انگریزی جولائی ۷۹ء	۲۰۰۰	دوبارہ

۱۹۸۰ء

۱۔ نبی اکرمؐ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں جولائی ۸۰ء	۵۰۰۰	بار چہارم
۲۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ اردو جون ۸۰ء	۲۰۰۰	دوبارہ
۳۔ دعوت الی اللہ جولائی ۸۰ء	۳۰۰۰	بار سوئم
۴۔ مبادی تدبر قرآن جولائی ۸۰ء	۱۱۰۰	دوبارہ
۵۔ حقیقت دین جولائی ۸۰ء	۱۱۰۰	دوبارہ
۶۔ علامہ اقبال اور ہم جولائی ۸۰ء	۲۰۰۰	دوبارہ

سالانہ قرآن کانفرنسیں

۲۸۔ مرکزی انجمن خدام القرآن نے رجوع الی القرآن اور اپنی دینی سرگرمیوں کے لئے آج سے آٹھ سال قبل سالانہ قرآن کانفرنسوں کا انعقاد شروع کیا تھا اور ان کے ذریعے مسلمانوں کے مختلف مکاتیب فکر کے علماء کے لئے ایک پلیٹ فارم مہیا کیا۔ ۷۲ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کا قیام عمل میں آیا اور دسمبر ۷۳ء میں پہلی قرآن کانفرنس ٹاؤن ہال (جسے اب جناح ہال کا نام دیا گیا ہے) لاہور میں منعقد کی گئی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے ہر سال

قرآن کانفرنس منعقد ہوتی رہی ۔ عرصہ زیر رپورٹ یعنی سال ۷۹ ء میں چھٹی سالانہ قرآن کانفرنس ۲۲ تا ۲۴ مارچ ۷۹ ء کراچی انسٹی ٹیوٹ آف بزنس ایڈمنسٹریشن کے آڈیٹوریم میں منعقد ہوئی ۔ اس کانفرنس کے کل پانچ اجلاس ہوئے ۔ ملک کے جید علماء اور قانون دان حضرات ماہرین تعلیم اور عدلیہ کے معزز حضرات نے شرکت فرمائی ۔ ان میں جسٹس شیخ ظہور الحق، جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمن ۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صاحب مرحوم مولانا ظفر احمد انصاری مولانا محمد طا سین ۔ مولانا محمد ناظم ندوی ۔ مولانا محمد تقی عثمانی، پروفیسر اظہر علی صدیقی ۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی ۔ پروفیسر محمد اسلم اور انجمن کے صدر موسس ڈاکٹر اسرار احمد اور دیگر نامور حضرات نے شرکت کی اور اپنے مقالات اور تقاریر میں قانونی ۔ سیاسی مسائل اور حکمت و فلسفہ قرآنی معاشی و معاشرتی مسائل پر روشنی ڈالی ۔ اسی طرح ۱۹۸۰ ء میں ساتویں سالانہ قرآن کانفرنس ۱۸ تا ۲۱ اپریل لاہور میں منعقد کی گئی ۔ اس کانفرنس کی کل آٹھ اجلاس ہوئے ۔ ۱۹-۱۸ اپریل کو صرف دو اجلاس جناح ہال میں ہوئے اور بقیہ اجلاس قرآن اکیڈمی میں کئے گئے ۔ اس کانفرنس میں بھی تقاریر اور مقالجات کے لئے جو عنوان تجاویز کئے گئے وہ بھی قرآن حکیم ہی سے متعلق تھے ۔ مثلاً معاشی و اقتصادی مسائل اور قرآن حکیم " قومی و ملی مسائل اور قرآن حکیم " قرآن اور سائنس " فلسفہ و حکمت کے مسائل اور قرآن حکیم " ۔ اس کانفرنس کا آخری اجلاس اپنی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے علامہ اقبال مرحوم اور قرآن حکیم کے موضوع پر منعقد کیا گیا ۔ جس میں جناب مرزا منور صاحب ۔ جناب اختر الواسع صاحب علی گڑھ) جناب عبدالغفار شکیل صاحب (علی گڑھ) نے مقالے پڑھے اور تقاریر کیں ۔

۲۹ - معزز اراکین انجمن، اب آخر میں میں مرکزی انجمن خدام القرآن کے شعبہ مالیات کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں جیسا کہ آپ کو معلوم ہے انجمن کے قواعد وضوابط کی رو سے انجمن کی آمدنی اور خرچ کا باقاعدہ حساب رکھا جاتا ہے ۔ جسے انجمن کے اعزازی محاسب دوران سال آڈٹ کرتے رہتے ہیں ۔ پھر جملہ حسابات کی سالانہ جانچ پڑتال حکومت کے منظور شدہ چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ سے کروانی لازمی ہوتی ہے ۔ ہر سال بیلنس شیٹ ۔ آمدن اور خرچ کا اکاؤنٹ انجمن کے ذیلی ادارے ۔ معہد ثانوی اور مکتبہ کے اکاؤنٹ

بھی تیار ہوتے ہیں - اور یہ تمام اکاؤنٹ آڈٹ کے بعد ہر سال مرکزی ریونیو بورڈ کو ارسال کر دیئے جاتے ہیں - ۱۹۸۰ء کے اختتام پر انجمن کے اکاؤنٹ کے تمام گوشوارے مرکزی ریونیو بورڈ کو ارسال کئے جا چکے ہیں اور ان کی نقول دفتر انجمن میں محفوظ ہیں ان گوشواروں کے مندرجات کو یہاں دہرانے کے لئے چونکہ کافی وقت درکار ہوگا اس لئے میں نے صرف آمد و خرچ کی نمایاں رقوم نیچے درج کر دی اور آپ کے گوش گزار بھی کئے دیتا ہوں -

	۱۹۷۹ء	۱۹۸۰ء
کل آمدن	۵,۲۳,۸۹۷٫۰۸	۶,۳۲,۳۵۹٫۸۰
کل خرچ	۵,۱۵,۱۱۷٫۸۶	۶,۲۱,۷۹۹٫۴۴

آمدن میں جو نمایاں رقوم شامل ہیں ان کی تقسیم اس طرح ہے :-

نئے محسنین اور مستقل ارکان سے ابتدائی زر تعاون اور ممبران سے ماہانہ زر تعاون اور عطیہ جات	۴,۲۸,۵۲۰٫۲۵	۵,۴۶,۷۹۱٫۰۹
متفرق آمدن مثلاً کرایہ کوارٹر - بل گیس - بجلی پرائیویٹ استعمال ٹیلیفون ٹرانسپورٹ وغیرہ	۲۹,۳۱۳٫۹۶	۳,۸۰,۷۸۰٫۷۰
مکتبہ انجمن سے ایڈوانس کی وصولی	۸,۷۹۸٫۷۱	۷,۲۰۷٫۵۹
معہد ثانوی - طلباء کی فیس وغیرہ		۱۰,۴۹۵٫۰۰

اس طرح اخراجات میں شامل نمایاں رقوم کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے -

ٹیلیفون بل	۶,۱۰۵٫۸۲	۱۰,۷۳۷٫۳۳
بجلی	۱۰,۹۵۷٫۴۰	۱۰,۷۱۱٫۶۰
تنخواہ عملہ	۴۰,۳۸۵٫۵۴	۵۱,۶۵۹٫۰۸
چھٹی / ساتویں سالانہ قرآن کانفرنس	۱۵,۹۲۶٫۷۶	۱۲,۴۷۰٫۹۰
قرآن اکیڈمی کی تعمیر کیلئے ایڈوانس	۳,۵۶,۵۰۰٫۰۰	۲,۳۰,۱۰۷٫۸۸
آلات لاؤڈ سپیکر سسٹم برائے مسجد		۵۹,۸۲۵٫۷۰
سوزوکی وین		۳۲,۰۰۰٫۰۰
کراچی سب آفس کے لئے ایک مزید کمرہ		۲۹,۰۰۰٫۰۰
معہد ثانوی		۳,۰۲۶٫۷۷

فہرست مطبوعات (مسلسل)

تصانیف: ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

- اسلام کی نشاۃ ثانیہ - کرنے کا اصل کام — -/۱ روپے
- نبی اکرمؐ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں — -/۲ ″
- مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق ، اردو -/۲ روپے ، عربی — -/۴ ″
- راہِ نجات - سورۃ والعصر کی روشنی میں ، ادنیٰ -/۱ ، اعلیٰ — -/۲ ″
- علامہ اقبال اور ہم — -/۲ ″
- عظمتِ صوم — -/۱ ″
- دعوت الی اللہ — -/۱ ″
- قرآن اور امن عالم — ۰/۷۵ ″
- نبی اکرمؐ کا مقصدِ بعثت
- مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب
- قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ (الفاتحہ تا الکہف)
- نشر القرآن

تصنیف: ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

- اسلامی تحقیق کا مفہوم مدعا اور طریقِ کار — ۱/۵۰ روپے

تالیف: پروفیسر یوسف سلیم چشتی

- اسلامی تصوف میں غیر اسلامی ، نظریات کی آمیزش — -/۵ ″

تصنیف: سید غلام محمد رضوی

- یتیم پوتے کا حق وراثت — -/۵ ″

OUR ENGLISH LITERATURE

By : DR. ISRAR AHMAD

- The Obligations Muslims Owe to the Quran.
- The Way to Salvation—in the Light of Surah al-'Asr.
- Islamic Renaissance—The Real Task Ahead.
- Quran and World Peace.
- Two Periods of Rise and Decline of the Muslim Ummah.
- Our Obligations to the Holy Prophet (p.b.u.h.).
- The Purpose Behind Mohammad's (p.b.u.h.) Prophethood.

(Under Preparation) — applies to the last two titles above

تحریک رجوع الی القرآن کا علمبردار

دعوت تجدید ایمان ، توبہ اور تجدید عہد کا نقیب

ماہنامہ میثاق لاہور

زیرِ ادارت :

ڈاکٹر اسرار احمد

امیر تنظیم اسلامی

صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

فی شمارہ دو روپے　　　سالانہ زر اعانت بیس روپے

مولانا امین احسن اصلاحی

کی شہرہ آفاق تفسیر

تدبرِ قرآن

کی

لد اول ۔ دوم اور سوم کے ھدیے میں سامان طباعت کی قیمتوں میں شدید
ماقے کے باعث یکم اپریل سے اضافہ کردیا گیا ہے ۔ اب ہر جلد کا ھدیہ
چھتر روپے ہوگا ۔ ہر جلد کی ضخامت آٹھ سو صفحات سے زاید ہے ۔

- عام تاجروں کو کمیشن ۲۰ فیصد دیا جائے گا ۔
- سو جلدیں بہ یک وقت لینے پر ہول سیل کمیشن ۲۸ فیصد دیا جائیگا
- فاران فاؤنڈیشن کی شائع کردہ تدبر قرآن کی جلدیں بھی مکتبہ انجمن سے دستیاب ہوسکتی ہیں ۔

مولانا امین احسن اصلاحی

کی دیگر کتب : حقیقت دین ۔ اسلامی ریاست ۔ اسلامی قانون ۔ مبادی
تدبر قرآن اور پاکستانی عورت دوراہے پر بھی بحمد اللہ مکتبہ میں دستیاب ہیں

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن ۔ لاہور

Regd. L. No. 7360
MONTHLY MEESAQ LAHORE

Vol. 30 | APRIL 1981 | No. 4-5

ان شاء اللہ العزیز

تنظیمِ اسلامی

کا چھٹا سالانہ اجتماع

قرآن اکیڈمی K/۳٦ ماڈل ٹاؤن،

لاہور میں یکم تا ۳ مئی ۸۱ء منعقد ہوگا

رفقاء کو تاکید کی جاتی ہے کہ جمعہ یکم مئی کو قبل از دوپہر لازماً پہنچ جائیں ۔ اسی روز شام کو نماز مغرب کے فوراً بعد قرآن اکیڈمی کی جامع مسجد جامع قرآن میں امیر تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

تنظیم اسلامی کا پیغام مسلمانان پاکستان کے نام

کے عنوان سے خطاب فرمائیں گے ۔

●

المعلن : قاضی عبدالقادر ، قیم تنظیم اسلامی